بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے جرائم

دینِ اسلام کے خلاف مختلف جرائم اور بے بنیاد الزامات کے سلسلے میں جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے سنگین جرم سرزد ہوئے ہیں، اب ان جرائم کی سنوائی اہل سنّت والجماعت کی عدالت میں ہو گی۔

از قلم: ایس ایس پی قاسم

ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے مندرجہ ذیل جرائم

جرم نمبر ۱:- مودودی صاحب کی تفسیر بالرائے "تفہیم القرآن" میں قرآن وحدیث پر بداعتمادی اور بائیبل پر اعتماد۔

جرم نمبر ۲:- انبیاء کرام علیھم السلام کی شان میں گستاخیاں اور انہیں معصوم عن الخطاء ماننے سے انکار۔

جرم نمبر ۳:- صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخیاں اور انہیں معیارِ حق ماننے سے انکار۔

جرم نمبر ۴:- رسول اللہؐ کی سنت مبارکہ، کتب الصحاح اور محدثین کا صاف انکار۔

جرم نمبر ۵:- اہل سُنّت والجماعت کے اجماعی عقیدے سے مودودی صاحب کا انحراف۔

جرم نمبر ۶:- ڈاڑھی کے متعلق مودودی صاحب کا اجماعِ اُمّت سے انحراف۔

جرم نمبر ۷:- خادم حرمین اور کعبۃ اللہ کی شان میں ابوالاعلیٰ مودودی کی گستاخیاں۔

جرم نمبر ۸:- دُنیا میں ایک ہی معصوم ہے۔ وہ خود ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔

بادہ عصیاں سے دامن تربہ تر ہے شیخ کا۔ پھر بھی دعویٰ ہے کہ اصلاح دوعالم ہم ہی سے ہے۔

پہلے جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا مختصر تعارف

مودودی صاحب کانام * ابوالاعلیٰ * ہے مودودی صاحب کی پیدائش ۱۳۲۱ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ کو اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں ہوئی والد کانام سید احمد حسن مودودی تھا مودودی صاحب کا * ابوالاعلیٰ * اصلی نام ہے کنیت نہیں ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب خود لکھتے ہیں کہ -ابوالاعلےٰ کوئی لقب نہیں ہے جسے میں نے خود اختیار کیا ہو بلکہ یہ میرا نام ہے جو والد محترم نے پیدائش کے وقت رکھا تھا میرے خاندان کے سب سے پہلے بزرگ جو سکندر لودہی کے عہد میں ہندوستان آئے تھے ان کا یہی نام تھا اور میرے والد مرحوم نے تبرکاً ان کے نام پر رکھا تھا۔

(مکاتیب سید ابوالاعلےٰ مودودی ج ا صفہ ۱۷۵)

پروفیسر عمر حیات خان غوری کا کہنا ہے کہ مولانا کی پیدئش سے تین سال قبل ان کے والد صاحب کو بھی ایک بزرگ نے پشین گوئی سنائی تھی اور کہا تھا کہ اس بچہ کانام * ابوالاعلیٰ * رکھنا والد کی خواہش تھی کہ آپ کو مولوی بنائیں چنانچہ تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھا اور فارسی عربی فقہ اور حدیث کی تعلیم شروع کردی فاضل اوقات میں اپنے ساتھ رکھتے اپنے احباب میں لیجاتے راتوں کو انبیاء کے قصّے بزرگان دین کے حالات اور اسلامی تاریخ کی کہانیاسناتے۔

(اقبال اور مودودی کا تقابلی مطالعہ صفہ ۴۱)

مودودی صاحب جس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اس مورث اعلی حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ہروی (متوفی ۵۲۷ ھ) ہیں جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے داداپیر تھے۔ یہ بزرگ خواجہ. وودود چشتی سلسلہ کے تیرھویں بزرگ ہیں اور خواجہ اجمیری سولہویں بزرگ ہیں.

تفصیل کے لئے تاریخ مشائخ چشت دیکھ لیں

مودودی صاحب کے والد سید احمد حسن مودودی اورنگ آباد میں وکالت کرتے تھے اسی زمانے میں مودودی نے وہاں جنم لیا ورنہ اصلا دہلی کے تھے حتی کہ ددجیال ننھیال بلکہ سسرال بھی دہلی میں تھی چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میری ددھیال ننھیال سسرال دہلی میں ہے۔

(مکاتیب سید ابوالاعلے مودودی ج ۱ صفحہ ۱۹۱)

مسلم یونیورسٹی علیگھڑ کے بانی سرسید احمد خان سے بھی مودودی صاحب کی قرابت ہے مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ سرسید خان ایک قریبی رشتہ سے میری دادی کے بھائی ہوتے تھے میرے والد ان کے بھانجے تھے۔

(مکاتیب سید ابوالاعلے مودودی ج ۲ صفحہ ۳۴۹)

بچپن کے سلسلہ میں مودودی صاحب کی کہانی خود کی زبانی

میرا بچپن ریاست حیدرآباد کے مشہور شہر اورنگ آباد میں گزرا ہے میرا خاندان تو دہلی کا تھا لیکن میرے والد مرحوم دہلی سے اورنگ آباد چلے گئے تھے اس وجہ سے میری زندگی کے ابتدائی ۱۳ یا ۱۴ سال اورنگ آباد ہی میں بسر ہوئے۔

کچھ بچپن کی یادیں .

کہتے ہیں کہ مجھے اپنی چھوٹی عمر کی باتیں ابھی تک یاد ہیں مجھے وہ اپنی حیرت اب تک یاد ہے جو مجھے پہلی مرتبہ یہ سن کر ہوئی تھی کہ ابا کے ابا کو دادا اور ابا کی امی کو دادی کہتے ہیں۔۔ میرا دل کسی طرح یقین کرنے کو تیار نہ تھا ابا بھی کسی کے بیٹے ہوسکتے ہیں؟ اور نہ میں یہ تصور کرسکتا تھا میرے والد صاحب بھی میر طرح کسی کے بچہ ہوسکتے ہیں اس نئی معلوامات پر بہت دن تک غور کرتا رہا اور یہ بات بڑی تحقیق کے بعد میری سمجھ میں آئی کہ جتنے لوگ اب بوڑھے ہیں یہ سب بھی بچے تھے اور ان کے بھی کوئی ماں باپ تھے۔اس سے بھی چھوٹی عمر کا ایک اور خیال مجھے اب تک یاد ہے میں ابا اماں کے کوئی معنی نہیں جانتا تھا

میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور میں ان کے پاس کیسے آگیاہوں البتہ یہ ضرور محسوس کرتا تھا کہ یہ ہیں بڑے اچھے لوگ والد کو دنیا میں سب سے اچھا آدمی والدہ کو سب سے اچھی عورت سمجھتا تھا۔

ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی تعلیم

میرے والد صاحب نے میری ابتدائی تعلیم کا انتظام گھر پر کیا تھا غالبًا وہ میری زبان کی حفاظت اور مجھکو بری صحبتوں سے بچانے کے لیے مدرسے بھیجنا نہیں چاہتے تھے گھر کی اس تعلیم میں مجھ کو بہت سے استاذوں سابقہ پیش آیا بعز استاذ ایسے جنھوں نے مجھے کند ذہن بنانے کی کوشش کی اور ان کے اثر سے مجھے خود اپنے اوپر شک ہونے لگا کہ شاید میں کچھ پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بعض استاذوں نے مجھے اس سے زیادہ پڑھانے کی کوشش کی جتنا میں اپنی عمر کے لحاظ سے پڑھ سکتا تھا البتہ بعض استاذوں نے مجھے اچھی تعلیم دی پانچ چھ سال کی اس تعلیم میں مجھ کو اتنا علم حاصل ہوگیا جتنا دوسرے بچوں کو آٹھ سال میں ہوتا ہے بلکہ جب مجھ کو گیارہ سال کی عمر میں آٹھویں جماعت میں داخل کیا گیا تو اکثر مضمونوں میں میری معلومات اپنے ہم جماعتوں سے زیادہ تھیں حالانکہ میں اپنی آٹھوی کلاس میں سب سے چھوٹی عمر کا طالب علم تھا۔ مودودی صاحب کے نزدیک بچہ کی بسم اللہ قاعدہ بغدادی سے کرانا اور ابتداءً قرآن مجید پڑھانا مسمانوں کی غلطی ہے بلکہ پہلے اردو پڑھایا جائے تاکہ قرآن مجید کا ترجمہ سمجھ سکے، یہ غلطی مودودی صاحب کے گھر والوں نے بھی کی جس کو مودودی صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔ میری ابتدائی تعلیم میں ایک خرابی ایسی تھی جس کو میں نے بری طرح بعد میں محسوس کیا وہ خرابی یہ تھی کہ عام دستور کے مطابق مجھے بھی سب سے پہلے بغدادی قاعدہ پڑھا کر قرآن مجید پڑھوایا گیا یہ غلطی عام طور پر مسلمان اس زمانے میں کرتے ہیں اور آج تک کیے جارہے ہیں اس کا نقصان یہ کہ بچہ دنیا کی ساری چیزیں سمجھ کر پڑھتا ہے مگر صرف قران ہی کے متعلق وہ خیال کرتا ہے کہ یہ ایسی کتاب جسے سمجھنے کی ضرورت نہیں بس الفاظ پڑھ لینے کافی ہیں۔ اس غلط طریقہ کی وجہ سے مجھے بے سمجھے قرآن پڑھنے کی عادت پڑھ گئ

تھی۔ آگے چل جب میں نے عربی زبان پڑھ لی اس وقت بھی برسوں تک بغیر سمجھے قرآن پڑھتا رہا ۲۱ برس کی مجھے پہلی مرتبہ اپنی اس غلطی کا احساس ہوا اور میں نے قرآن کو سمجھنے کی کوشش شروع کی۔

(مولانا مودودی سے ملیے خلاصہ از ۸۱ تا ۸۸)

ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کی ترک تعلیم

کچھ مجبوریوں کے باعث مودودی صاحب کا سلسلہ تعلیم زیادہ آگے نہ بڑھ سکا بلکی عمر کی بارہویں منزل میں تھے کہ سلسلہ تعلیم منقطع کرنا پڑا ان ہی کی جماعت کے ایک ترجمان ڈاکٹر سید انور علی نے قدرے تفصیل سے یوں بیان کیا ہے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر پر ہی ہوا. مولوی ندیم اللہ حسینی کے مشورے سے انہیں مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد کی جماعت رشدیہ (مڈل) میں داخلہ کر دیا گیا (۱۹۱۴) میں مولوی کا امتحان سکنڈ کلاس میں پاس کیا کیوں کہ ریاضی میں بہت کمزور تھے اس کے بعد حیدرآباد میں مولوی عالم کے کلاس میں داخلہ لیا لیکن چندماہ بعد سلسلہ تعلیم کو اس وجہ سے خیر باد کہنا پڑا کہ والد پر فالج کا حملہ ہوا تھا فوراً ہی اورنگ آباد سے بھوپال جانا پڑا۔

(ردفتنہ مودودیت صفحہ ۲۳-۲۴)

مولوی کا امتحان جو مودودی صاب نے پاس کیا ہے یہ وہ اصطلاحی روایتی مولوی نہیں ہے جس نے باقاعدہ صحاح ستہ وغیرہ احادیث پڑھی ہوں بلکہ خود موصوف کے اس سلسلہ میں الفاظ ہیں حیدرآباد میں اس وقت جو نظام تعلیم رائج تھا اس میں رشدیہ مڈل کو کہتے ہیں اس کے بعد نویں دسویں جماعت کا نام مولوی تھا جو میٹرک کے مساوی تھا اس میں مدارس یونیورسٹی کے میٹرک کے تمام مضامین اردو میں پڑھائے جاتے تھے اور اس کے علاوہ عربی ادب کی تعلیم دی جاتی تھی اور فقہ وحدیث اور منطق عربی میں پڑھائی جاتی تھی۔

(مکاتیب مودودی ج ۲ صفحہ ۳۴۹)

مودودی صاحب کی انگریزی زبان سیکھنا

خلیل احمد الحامدی کا بیان ہے کہ مودودی صاب نے دہلی میں رہتے ہوئے ایک استاذ کے پاس انگریزی صرف چار ماہ میں پڑھی۔ مودودی صاحب خود بھی یہی لکھتے ہیں کہ میں نے انگریزی زبان ۱۵ ۱۶ سال کی عمر میں سیکھ لی تھی اور ۲۲ سال کی عمر میں اگریزی کتابوں کا مطالعہ بڑی آسانی سے کرنے لگا تھا۔

(مکاتیب، ج ۲ ، صفحہ ۳)

خلاصہ

جب مودودی صاحب تعلیم کی طرف نظر ڈالتے ہیں، نہ کوئی ڈگری نہ کوئی باسند عالم دین، نہ کسی مدرسے کے فارغ، نہ کسی مستنند عالمِ دین سے تعلیم حاصل کرنے والے۔؟؟ سوال تو آخر کار بنتا ہی ہے کہ اتنی کتابیں کس نے لکھی، تفہیم القرآن، رسائل مسائل، تفہیمات وغیرہ۔ اور ایسی کتابیں جن میں ایک بھی ایسی بات نہیں لکھی گئی جس سے مسلمان متقی پرہیز گار، اسلام پر مرمٹنے والا جہادی، نظامِ مصطفیٰ کو قائم کرانے والا مردِ مجاہد بن سکے۔ ان کتابوں میں ہر طرف تنقید نظر آتی ہے، وہ انبیاء کرامؑ ہوں یا صحابہ کرامؓ یا فقہاو محدیثین یا علماء کرام۔ غرض ایک بھی اس قلمی سازش سے بچ نہ سکا۔

آج جس طرح ملالہ یوسف زئی کو ان کے ہی شائع کردہ رسائلوں میں بطور مصنف پیش کیا جاتا ہے اور لکھنے والے پردے کے پیچھے کوئی اور ہوتے ہیں، بلکل اسی طرح ابوالاعلیٰ مودودی کا نام بطور مصنف پیش کیا گیا اور لکھنے والے اسلام دشمن عناصر تھے۔

کیا مودودی صاحب نے کبھی ہاتھ میں تلوار اُٹھائی ہے۔؟ کبھی میدانِ جہاد میں گئے ؟۔ پھر کس انقلابی تحریک کے متعلق بات کرتے تھے؟

یادرکھو مسلمانو! انبیاء کرامؑ اور صحابہؓ کے معیار کو تاریخ کی کتابوں سے نہیں تولا جاتا ہے، بلکہ قُرآن اور حدیث کی روشنی میں تولا جاتا ہے۔

اس لئے فتنہ مودودیت جو ظاہر میں اپنے آپ کو جماعت اسلامی کہلاتا ہے ایک ایسا فتنہ ہے کہ اس کے عقائد امت مسلمہ کے اکابرین کے خلاف ہیں۔ جماعت اسلامی کے بانی ابولاعلی مودودی صاحب کی کتابوں اور رسالوں میں ایسی خطرناک باتیں موجود ہیں کہ جن سے ناواقف آدمی صرف گمراہ ہی نہیں بلکہ کفر میں بھی پڑ سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

جرم نمبر ا

تفہیم القرآن میں قرآن وحدیث پر بد اعتمادی اور بائیبل پر اعتماد۔

مقدمے کی سماعت

پہلے اہل سنّت والجماعت کے دلائل کی سماعت

معزز سامعین!۔ قرآن کی تفسیر کے لیے کچھ ضروری علوم درکار ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، جنت و دوزخ کا تذکرہ اور فکر آخرت پیدا کرنے والی باتیں وغیرہ جس کو ہر عربی داں شخص سمجھ سکتا ہے؛ بلکہ مستند ترجمہ کی مدد سے اپنی مادری زبان میں بھی ان آیات کو سمجھ سکتا ہے،

ان آیات کے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ۔ سورۃ القمر: آیت ۱۷

ترجمہ:۔اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بنادیا ہے؛ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟۔ دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام و قوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کو پوری طرح سمجھنے اوران سے احکام و مسائل مستنبط کرنے کے لیے علم تفسیر کا جاننا ضروری ہے، صرف عربی زبان کا سمجھنا اس کے لیے کافی نہیں ہے، صحابہ کرامؓ اہل عرب ہونے کے باوجود ایسی آیتوں کی تفسیر اللہ کے رسول ﷺ سے معلوم کیا کرتے تھے، اس کی تفصیلی مثالیں اس مقالہ میں آچکی ہیں؛ یہاں سمجھنے کے لیے ایک مثال پر اکتفا کیا جارہا ہے، روزوں سے متعلق جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ۔ البقرۃ ۱۸۷

ترجمہ:۔اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید اور سیاہ دھاگے میں تمہیں فرق معلوم ہونے لگے۔

اس آیت کو سننے کے بعد حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (۶۷ھ) نے سفید اور سیاہ دھاگے اپنے تکئے کے نیچے رکھ لیے؛ تاکہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگیں تو اس سے وہ اپنے روزے

کی ابتداء کرلیا کریں؛اسی طرح اور ایک روایت میں حضرت سہل بن سعدؓ (۹۸۱ھ) کہتے ہیں: کچھ لوگ جنھوں نے روزے کی نیت کی ہوتی وہ اپنے دونوں پاؤں سے سفید اور سیاہ دھاگے باندھ رہتے اور برابر سحری کھاتے رہتے؛ یہاں تک کہ وہ دونوں دھاگے آپس میں ممتاز نہ ہوجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سمجھایا کہ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے سے مراد دن کی سفیدی اور شب کی سیاہی ہے۔

(بخاری، بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى. وَكُلُوا وَاشْرَبُوا، حدیث نمبر: ۱۷۸۳، موقع)

الغرض ! قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے لیے علم تفسیر کا جاننا ضروری ہے، کسی بھی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے کرنے والا غلطی پر ہے، خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا، قرآن کریم کی تفسیر سمجھنے کے لیے مستند تفاسیر کا مطالعہ کرنا چاہیے اور علماء سے استفادہ کرنا چاہیے، اس مضمون کے آخر میں مستند اردو تفاسیر کے نام ذکر کیے گئے ہیں۔

درج ذیل احادیث میں تفسیر قرآن کی باریکی کا اندازہ ہوتا ہے

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔ جو شخص قرآن میں بغیر علم کے گفتگو کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

مَنْ قَالَ فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ۔ جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔

ترمذی، باب ماجاء فی یفسر القرآن ، حدیث نمبر: ۲۸۷۴۔ ابو داؤد، الکلام فی کتاب اللہ بغیر علم ، حدیث نمبر: ۳۱۶۷

سابقہ تمام تفاصیل سے یہ ثابت ہوا کہ تفسیر قرآن مجید کے لیے کچھ ضروری علوم ہوتے ہیں جن کے بغیر تفسیر کرنا ایسا ہے جیسے بغیر آلات کے صناعی کرنا، کہ جیسے کوئی بھی فن بغیر آلاتِ ضروریہ کے نہیں آتا ایسے ہی ہر علم کا بھی یہی مسئلہ ہے۔

چنانچہ مفسرین اوراہل علم نے ضروری علوم کی تفصیل یوں بتلائی ہے: اور علماء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ جو شخص ان علوم میں مہارت رکھتا ہو، جو تفسیر کے لیے ضروری ہیں اس کے لیے قرآن کریم کی تفسیر جائز ہے اور یہ مندرجہ ذیل پندرہ علوم ہیں۔

۱۔ علم لغت

۲۔ علم صرف

۳۔ علم نحو

۴۔ علم اشتقاق

۵۔ علم معانی

۶۔ علم بیان

۷۔ علم بدیع

۸۔ علم قراءات

۹۔ علم اصول الدین

۱۰۔ علم اصول فقہ

۱۱۔ علم اسباب النزول

۱۲۔ علم ناسخ ومنسوخ

۱۳۔ علم فقہ

۱۴۔ علم حدیث

۱۵۔ نورِ بصیرت اور وہبی علم

چنانچہ ابتدائی لغت وصرف نحو ادب یہ عربی زبان سیکھنے اور اس کی باریکیوں کو جاننے کے لیے ہیں؛ کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل کیا گیا نیز معانی بیان وبدیع وغیرہ اس کی رعنایوں کو سمجھنے کے لیے اور منطق حکمت وفلسفہ کلام، دوسری زبانوں سے مستعار علوم کے ذریعہ جو گمراہیاں آسکتی ہیں اس کے دفع کے لیے، پھر علم تفسیر کے اندر بھی کئی تفصیلات بتلائی گئی ہے: مثلاً وحی اور اس کی ضرورت کو سمجھنا

پھر وحی کی اقسام مثلاً، وحی قلبی، وحی ملکی، پھر وحی کی مختلف شکلیں جیسے **صلصلة الجرس** اور فرشتے کاانسانی شکل میں آنا، رویائے صادقہ ،نفث فی الروع، پھر وحی متلو و غیر متلو، پھر قرآن کریم کے نزول کے متعلق تفصیلات اور سورتوں کی تدوین مکی و مدنی ہونے کے اعتبار سے نیز بعض مدنی سورتوں میں مکی آیتیں اور بعض مکی سورتوں میں مدنی آیتیں کونسی ہیں اسکا استقصاء پھر قرآن کریم سات حروف پر نازل ہونے کا کیا مطلب ہے؛ پھر ناسخ و منسوخ آیتوں کی تفصیلات ،سبعہ احرف سے کیا مراد ہے اور حفاظت قرآن اور جمع قرآن کی تفصیلات پھر اس کے اندر دیئے ہوئے علامات وقف کی تفصیلات اور اسی میں پاروں کی تقسیم اوراس کے اعراب و حرکات سے متعلق تفصیلات پھر قرآن کریم میں جو مضامین ذکر کئے گئے ہیں، مثلا عقائد، واقعات اور ایام اللہ وانعم اللہ، پھر آیات مقطعات و متشابہات و محکمات وغیرہ کی تفصیلات، بہر حال یہ تو چند ضروری علوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تفسیر بالرائے یعنی محض اپنی ذاتی رائے سے قرآن پاک کی تفسیر کرنا حرام ہے، اگر کوئی شخص ایسی رائے رکھتا ہے جو قرآن پاک کی مراد نہیں ہے اور پھر وہ اسے قرآن کی کسی سورۃ یا آیت پر چسپاں کرتا ہے تو یہ انتہائی درجے کی گمراہی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ خود حضور اکرم ﷺ اور تمام سلف صالحینؒ اللہ تعالیٰ کی منشاء معلوم کرکے اس کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر کرتے رہے ہیں اور کسی نے اللہ کی منشاء کے خلاف اپنی رائے کو دخیل نہیں ہونے دیا، تفسیر بالرائے ڈاکہ، چوری اور زنا سے بھی بڑا جرم ہے۔

☆☆☆☆☆

اب جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے دلائل کی سماعت

۔قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں. ایک اعلی درجے کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو اور طرزِ جدید پر قرآن پڑھانے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہو. وہ اپنے لیکچروں سے انٹر میڈیٹ میں طلبہ کے اندر قرآن فہمی کی ضروری استعداد پیدا کرلے گا. پھر بی-اے میں ان کو

قرآن اس طرح پڑھادے گا کہ وہ عربیت میں کافی ترقی کر جائیں گے اور اسلام کی روح سے بھی بخوبی واقف ہو جائیں گے۔

(تنقیحات، ۱۹۶۳، صفحہ ۳۴۲-۳۴۳)

- تفہیم القرآن، ص ۷ پر لکھتے ہیں "اردو زبان میں قرآن مجید کے جتنے ترجمے ہو چکے ہیں ان کے بعد اب کسی شخص کا محض برکت و سعادت کی خاطر ایک نیا ترجمہ شائع کرنا وقت اور محنت کا کوئی صحیح مصرف نہیں ہے۔ اس راہ میں مزید کوشش اگر معقول ہو سکتی ہے تو صرف اُس صورت میں جبکہ آدمی طالبینِ قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کرے جو پچھلے تراجم سے پوری نہ ہوتی ہو۔

جو مقصد میں نے اس کام میں اپنے پیش نظر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر ترجمے کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے، اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے۔ اسی لیے میں نے لفظی ترجمے کا طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک لفظی ترجمہ قرآن کا تعلق ہے، یہ خدمت اس سے پہلے متعدد بزرگ بہترین طریقہ پر انجام دے چکے ہیں اور اس راہ میں اب کسی مزید کوشش کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ فارسی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ، اور اردو میں شاہ عبد القادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا اشرف علی صاحب اور مولوی فتح محمد صاحب جالندھری کے تراجم ان اغراض کو بخوبی پورا کر دیتے ہیں جن کے لیے ایک لفظی ترجمہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمہ سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں۔ انہی کو میں نے ترجمانی کے ذریعے سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۷)

موجودہ قرآن تحریف شدہ ہے۔ قرآن کے لفظی ترجمے روحِ قرآن سے خالی ہیں۔

پہلی چیز جو ایک لفظی ترجمے کو پڑھتے وقت محسوس ہوتی ہے وہ روانئ عبارت، زورِ بیان، بلاغتِ زبان اور تاثیر کلام کا فقدان ہے۔ قرآن کی سطروں کے نیچے آدمی کو ایک ایسی بے جان عبارت ملتی ہے جسے پڑھ کر نہ اس کی روح وجد میں آتی ہے، نہ اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، نہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، نہ اس کے جذبات میں کوئی طوفان برپا ہوتا ہے، نہ اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز عقل و فکر کو تسخیر کرتی ہوئی قلب و جگر تک اترتی چلی جارہی ہے۔ اس طرح کا کوئی تاثر رونما ہونا تو درکنار، ترجمے کو پڑھتے وقت توبسا اوقات آدمی یہ سوچتارہ جاتا ہے کہ کیا واقعی یہی وہ کتاب ہے جس کی نظیر لانے کے لیے دنیا بھر کو چیلنج دیا گیا تھا؟ اس کی وجہ یہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لفظی ترجمے کے طریقے میں کسر اور خامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے میں نے "ترجمانی" کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کی بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کردوں۔ اسلوبِ بیان میں ترجمہ پن نہ ہو، عربِی مُبین کی ترجمانی اُردوئے مبین میں ہو، تقریر کا ربط فطری طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو، اور کلامِ الٰہی کا مطلب و مدّعا صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شاہانہ وقار اور زورِ بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہوجائے۔ اس طرح کے آزاد ترجمے کے لیے یہ تو بہر حال ناگزیر تھا کہ لفظی پابندیوں سے نکل کر ادائے مطالب کی جسارت کی جائے، لیکن معاملہ کلامِ الٰہی کا تھا، اس لیے میں نے بہت ڈرتے ڈرتے ہی یہ آزادی برتی ہے۔ جس حد تک احتیاط میرے امکان میں تھی، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے اس امر کا پورا اہتمام کیا ہے کہ قرآن کی اپنی عبارت جتنی آزادی بیان کی گنجائش دیتی ہے اس سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۸)

اپنی ایک اور کتاب کے مقدمے میں لکھتے ہیں

عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا، اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ الٰہ کے کیا معنٰی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے- انہیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے- اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ اور رب ہے اور الوہیت وربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں تو وہ پوری بات کو پاگئے- انہیں بلا کسی التباس و اشتباہ کے معلوم ہوگیا کہ دوسروں کے لیے کس چیز کی نفی کی جارہی ہے اور اللہ کے لیے کس چیز کو خاص کیا جارہا ہے- جنہوں نے مخالفت کی یہ جان کر کی کہ غیر الٰہ کو الوہیت وربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدے کو قبول کرکے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہوگا- اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے- ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں، عبودیت کس حالت کا نام ہے، عبادت سے کون سا رویہ مراد ہے اور دین کا کیا مفہوم ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہوکر اللہ کے دین میں داخل ہوجاؤ تو انہیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی- وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے۔

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہوگیا- اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے- ان ہی دونوں وجوہ سے دور آخر کی کتب لغت و تفسیر و اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانی لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے- مثلاً لفظ الٰہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنادیا گیا،

رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرا دیا گیا۔ عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے ۔ دین کو دھرم اور مذہب کے مقابلے کا لفظ قرار دیا گیا۔ طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، ص:۸-۹)

قرآن مجید کی پہلی آیات کا ترجمہ بھی غلط ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ . الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے. تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے. رحمان اور رحیم ہے۔

رحمان اور رحیم کی مثال ایسی ہے جیسے سخی داتا، گوراچٹا، لمبا تڑنگا، اسم رحمان کی کمی کو پورا کرنے کے لئے رحیم کا اضافہ کیا گیا ہے۔

انسان کا خاصّہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے، اور اگر ایک مبالغہ کا لفظ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اُس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا، تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تا کہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نقطہ پوشیدہ ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حدوحساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں ”سخی“ کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر ”داتا“ کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب ”گورے“ کو کافی

نہیں پاتے تو اس پر "چٹّے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازیِ قد کے ذکر میں جب "لمبا" کہنے سے تسلّی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں۔

(تفہیم القرآن، ج ا، سورۃ فاتحہ)

حروف مقطّعات کوئی چیستاں نہ تھے۔ "الم" کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

یہ حُرُوفِ مُقَطَعَات قرآن مجید کی بعض سُورتوں کے آغاز میں پائے جاتے ہیں۔ جس زمانے میں قرآن مجید نازل ہوا ہے اُس دَور کے اسالیبِ بیان میں اس طرح کے حُرُوفِ مُقطعات کا استعمال عام طور پر معروف تھا۔ خطیب اور شعراء دونوں اِس اُسْلوب سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ اب بھی کلامِ جاہلیّت کے جو نمونے محفوظ ہیں ان میں اس کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ اِس استعمال عام کی وجہ سے یہ مُقطعات کوئی چیستاں نہ تھے جس کو بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو، بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے مراد کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حرُوف کیسے ہیں جو تم بعض سُورتوں کی ابتداء میں بولتے ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہء کرام سے بھی ایسی کوئی روایت منقول نہیں ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے معنی پوچھے ہوں۔ بعد میں اُسلوب عربی زبان میں متروک ہوتا چلا گیا اور اس بنا پر مفسّرین کے لیے ان کے معانی متعیّن کرنا مشکل ہوگیا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ نہ تو ان حُرُوف کا مفہُوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار ہے۔ اور نہ یہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے معنی نہ جانے گا تو اس کے راہِ راست پانے میں کوئی نقص رہ جائے گا۔ لہٰذا ایک عام ناظر کے لیے کچھ ضروری نہیں ہے کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگرداں ہو۔ (تفہیم القرآن، ج ا، ص 49)

سجدہ ملائکہ سے مراد تسخیر ملائکہ ہے

مودودی صاحب "فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔اِس کا مطلب یہ ہے کہ زمین اور اس سے تعلق رکھنے والے طبقہ ء کائنات میں جس قدر فرشتے مامور ہیں، ان سب کو انسان کے لیے مطیع و مُسخَّر ہو جانے کا حکم دیا گیا۔ چونکہ اس علاقے میں اللہ کے حکم سے انسان خلیفہ بنایا جا رہا تھا، اس لیے فرمان جاری ہوا کہ صحیح یا غلط، جس کام میں بھی انسان اپنے اُن اختیارات کو، جو ہم اسے عطا کر رہے ہیں، استعمال کرنا چاہے اور ہم اپنی مشیت کے تحت اسے ایسا کر لینے کا موقع دے دیں، تو تمہارا فرض ہے کہ تم میں سے جس جس کے دائرۂ عمل سے وہ کام متعلق ہو، وہ اپنے دائرے کی حد تک اس کا ساتھ دے۔ وہ چوری کرنا چاہے یا نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، نیکی کرنا چاہے یا بدی کے ارتکاب کے لیے جائے، دونوں صُورتوں میں جب تک ہم اسے اس کی پسند کے مطابق عمل کرنے کا اِذن دے رہے ہیں، تمہیں اس کے لیے سازگاری کرنی ہوگی۔ مثال کے طور پر اِس کو یوں سمجھیے کہ ایک فرماں روا جب کسی شخص کو اپنے ملک کے کسی صُوبے یا ضلع کا حاکم مقرر کرتا ہے، تو اس علاقے میں حکومت کے جس قدر کارندے ہوتے ہیں، ان سب کا فرض ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کریں، اور جب تک فرمانروا کا منشا یہ ہے کہ اسے اپنے اختیارات کے استعمال کا موقع دے، اس وقت تک اس کا ساتھ دیتے رہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ صحیح کام میں ان اختیارات کو استعمال کر رہا ہے یا غلط کام میں۔ البتہ جب جس کام کے بارے میں بھی فرماں روا کا اشارہ ہو جائے کہ اسے نہ کرنے دیا جائے، تو وہیں ان حاکم صاحب کا اقتدار ختم ہو جاتا ہے اور انہیں ایسا محسُوس ہونے لگتا ہے کہ سارے علاقے کے اہل کاروں نے گویا ہڑتال کر دی ہے۔ حتّٰی کہ جس وقت فرمانروا کی طرف سے ان حاکم صاحب کو معزُولی اور گرفتاری کا حکم ہوتا ہے، تو وہی ماتحت و خُدّام جو کل تک ان کے اشاروں پر حرکت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر انہیں کشاں کشاں دارُالفاسقین کی طرف لے جاتے ہیں۔ فرشتوں کو آدم کے لیے سربسجُود ہو جانے کا جو حکم دیا گیا تھا اُس کی نوعیت کچھ اس قسم کی تھی۔ ممکن ہے کہ صرف مسخّر ہو جانے ہی کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا

ہو۔ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ اس انقیاد کی علامت کے طور پر کسی ظاہری فعل کا بھی حکم دیا گیا ہو، اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ا، ص 65)

بنی اسرائیل پر رفع طور محض ایک کیفیت تھی، حقیقت نہ تھی

مودودی صاحب :وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اس واقعے کو قرآن میں مختلف مقامات پر جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل میں یہ ایک مشہور و معرُوف واقعہ تھا۔ لیکن اب اس کی تفصیلی کیفیت معلوم کرنا مشکل ہے۔بس مجملاً یوں سمجھنا چاہیے کہ پہاڑ کے دامن میں میثاق لیتے وقت ایسی خوفناک صُورتِ حال پیدا کر دی گئی تھی کہ ان کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پہاڑ ان پر آپڑے گا۔ایسا ہی کچھ نقشہ سُورۂ اعراف آیت ۱۷۱ میں کھینچا گیا ہے۔"

(تفہیم القرآن، ج ا، ص 83) (ملاحظہ ہو سُورۂ اعراف، حاشیہ نمبر ۱۳۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں

مودودی صاحب وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں" یہ اس معاملہ کی اصل حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے۔اس میں جزم اور صراحت کے ساتھ جو چیز بتائی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح کو قتل کرنے میں یہودی کامیاب نہیں ہوئے ، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا۔اب رہا یہ سوال کہ اُٹھالینے کی کیفیت کیا تھی ، تو اس کے متعلق کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی۔

قرآن نہ اِس کی تصریح کرتا ہے کہ اللہ اُن کو جسم و رُوح کے ساتھ کرۂ زمین سے اُٹھا کر آسمانوں پر کہیں لے گیا ، اور نہ یہی صاف کہتا ہے کہ انہوں نے زمین پر طبعی موت پائی اور

صرف ان کی رُوح اُٹھائی گئی۔اس لیے قرآن کی بُنیاد پر نہ تو ان میں سے کسی ایک پہلو کی قطعی نفی کی جاسکتی ہے اور نہ اثبات۔لیکن قرآن کے اندازِ بیان پر غور کرنے سے یہ بات بالکل نمایاں طور پر محسُوس ہوتی ہے کہ اُٹھائے جانے کی نوعیت و کیفیت خواہ کچھ بھی ہو، بہر حال مسیح علیہ السلام کے ساتھ اللہ نے کوئی ایسا معاملہ ضرور کیا ہے جو غیر معمُولی نوعیّت کا ہے۔-----------------

دوسرے یہ کہ اگر مسیح علیہ السّلام کا اُٹھایا جانا ویسا ہی اُٹھایا جانا ہوتا جیسا کہ ہر مرنے والا دنیا سے اُٹھایا جاتا ہے ، یا اگر اس رفع سے مراد محض درجات و مراتب کی بلندی ہوتی جیسے حضرت ادریس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ رَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا، تو اس مضمون کو بیان کرنے کا انداز یہ نہ ہوتا جو ہم یہاں دیکھ رہے ہیں۔اس کو بیان کرنے کے لیے زیادہ مناسب الفاظ یہ ہو سکتے تھے کہ ”یقیناً انہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو زندہ بچا لیا اور پھر طبعی موت دی۔یہودیوں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا تھا مگر اللہ نے اس کو بلند درجہ عطا کیا“۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ رفع ویسا ہی معمُولی قسم کا رفع ہوتا جیسے ہم محاورہ میں کسی مرنے والے کو کہتے ہیں کہ اُسے اللہ نے اُٹھا لیا تو اس کا ذکر کرنے کے بعد یہ فقرہ بالکل غیر موزوں تھا کہ ” اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے“۔یہ تو صرف کسی ایسے واقعہ کے بعد ہی موزوں و مناسب ہو سکتا ہے جس میں اللہ کی قوتِ قاہرہ اور اس کی حکمت کا غیر معمُولی ظہُور ہوا ہو۔

اس کے جواب میں قرآن سے اگر کوئی دلیل پیش کی جاسکتی ہے تو وہ زیادہ سے زیادہ صرف یہ ہے کہ سُورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ نے مُتَوَفِّيكَ کا لفظ استعمال کیا ہے۔(آیت ۵۵)۔ لیکن جیسا کہ وہاں ہم حاشیہ نمبر ۵۱ میں واضح کر چکے ہیں ، یہ لفظ طبعی موت کے معنی میں

صریح نہیں ہے بلکہ قبضِ رُوح ، اور قبضِ رُوح و جسم ، دونوں پر دلالت کر سکتا ہے۔لہٰذا یہ اُن قرائن کو ساقط کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے جو ہم نے اُوپر بیان کیے ہیں۔بعض لوگ جن کو مسیح کی طبعی موت کا حکم لگانے پر اصرار ہے ، سوال کرتے ہیں کہ توَفّی کا لفظ قبضِ رُوح و جسم پر استعمال ہونے کی کوئی اور نظیر بھی ہے؟ لیکن جب کہ قبضِ رُوح و جسم کا واقعہ تمام نوعِ انسانی کی تاریخ میں پیش ہی ایک مرتبہ آیا ہو تو اس معنی پر اس لفظ کے استعمال کی نظیر پُوچھنا محض ایک بے معنی بات ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

(تفہیم القرآن، ج ا، ص420)

ساحروں کا سجدہ اندرونی کیفیت تھی، حقیقت نہ تھی

مودودی صاحب وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اور جادوگروں کا یہ حال ہوا کہ کسی چیز نے اندر سے انہیں سجدے میں گرا دیا"

(تفہیم القرآن، ج 2،ص69)

سورہ یونس آیت نمبر 3 میں (ثم استوی علی العرش) کا سادہ ترجمہ یہی ہے کہ پھر وہ عرش پر جا ٹھہرا۔۔ لیکن مودودی نے اس کا ترجمہ کیسے کیا ملاحظہ کریں:(پھر تختِ حکومت پر جلوہ گر ہوا)۔

(تفہیم القرآن 2/ 262)

سورہ اعراف آیت نمبر 54 کے تحت حاشیہ نمبر 41 میں عرش الہی کے بارے میں عقلی گھوڑا دوڑاتے ہوئے بلا کسی دیل وثبوت کے اپنی طرف سے دو مفہوم بتا رہے ہیں۔۔ خدا کے استواء علی العرش (تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہونے) کی تفصیلی کیفیت کو سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے بعد کسی مقام کو اپنی اس لا محدود سلطنت کا مرکز قرار دے کر اپنی تجلیات کو وہاں مرتکز فرمادیا ہو اور اسی کا نام عرش ہو جہاں سے سارے عالم پر موجود اور قوت کا فیضان بھی ہو رہا ہے اور تدبیر امر بھی فرمائی جا رہی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عرش

سے مراد اقتدار فرماں روائی ہو اور اس پر جلوہ فرما ہونے سے مراد یہ ہو کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کرکے اس کی زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی ہو۔

سورہ ھود آیت نمبر 7 میں (وكان عرشه على الماء) کا ترجمہ صاف صاف یہی ہے کہ (اور اسکا عرش پانی پر تھا) لیکن مودودی بقراطی کرتے ہوئے اور اپنی عقل کا گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور اس متعلق گمراہی کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں: رہا یہ ارشاد کہ خدا کا عرش پہلے پانی پر تھا، تو اس کا مفہوم ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ خدا کی سلطنت پانی پر تھی۔۔

(تفہیم القرآن 2/ 325)

بعثت سے پہلے علوم انبیاء آثار کائنات کے متعلق ہوتے ہیں

سورۃ انعام کی آیت فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں "یہاں ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی تفکر بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا. اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کرکے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کرکے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

(تفہیم القرآن، سورہ انعام، ج ۱، ص۵۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت توحید آثار کائنات کی اسٹڈی کے متعلق تھی

سورہ ھود، رکوع ۱ کی آیت أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اس ارشاد سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے ایمان بالغیب کی منزل سے گزر چکے تھے جس طرح سورۃ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا کہ ہر نبی ہونے سے قبل

آثار کائنات کے مشاہدہ سے وہ توحید کی معرفت حاصل کر چکے تھے. اسی طرح یہ آیت صاف بتا رہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غور و فکر سے اس حقیقت کو پالیا تھا اور اس کے بعد قرآن نے آکر نہ اس تصدیق و توثیق کی بلکہ آپ کو حقیقت کا براہ راست علم بھی عطا کر دیا۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۳۱)

جرم نمبر ۲

انبیاء کرام علیھم السلام کی شان میں گستاخیاں اور انہیں معصوم عن الخطاء ماننے سے انکار۔

پہلے اہل سُنّت والجماعت کے دلائل کی سماعت

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی عصمت پر اجماع امت ہے۔تمام انبیاء کفر و شرک، کبائر و صغائر سے پاک ہیں، حضرات انبیاء کرام کی جماعت مخلوق میں سب سے افضل وبرتر ہے، انبیاء اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں، بیشمار فضائل وخصوصیات سے سرفراز ہوتے ہیں، انبیاء معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں، عصمت انبیاء کا مطلب ہے گناہوں سے معصوم ہونا، .... تمام انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم و محفوظ ہوتے ہیں، عصمت، انبیاء کے لیے لازم ہے ان سے گناہوں کا صدور نہیں ہوتا یہ اللہ تعالی کی طرف سے ان کی فضیلت ہے، اللہ نے ان کو اس شرف سے نوازاہے۔یہ عقیدہ ضروریات اہل السنۃ والجماعت میں سے ہے ، اس کا منکر ضال اور مضل ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل

دلیل نمبر ۱-وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (المائدہ:آیت 92)

ترجمہ:اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور (نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کرے۔

دلیل نمبر ۲- قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ الآیہ-(النور: 54)

ترجمہ: (ان سے) فرما دیجئے کہ اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کے فرمانبردار بنو۔

دلیل نمبر ۳۔ یَآ أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ۔(النساء: 59)

:ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو۔

اِن آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کا بھی حکم دیاہے۔اگر رسولِ خدا علیہ السلام معصوم نہ ہوتے تو اللہ ان کی اطاعت کا کبھی حکم نہ دیتا۔

دلیل نمبر ۴۔مَنْ یُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا

(النساء: 80)

ترجمہ: جو شخص رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو (اطاعت سے) منہ پھیرے تو (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ کو ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے)۔

دلیل نمبر ۵ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِیُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ-(النساء: 64)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

دلیل نمبر ٦- وَمَنْ یُّطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیمًا- (الاحزاب: 71)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جوزبردست کامیابی ہے۔

دلیل نمبر ۷- وَأَطِیعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِینَ- (الانفال: 1)

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم واقعی مؤمن ہو۔

دلیل نمبر ۸ وَإِنْ تُطِیعُوهُ تَهْتَدُوا- (النور: 54)

ترجمہ: اگر تم ان کی فرمانبرداری کروگے تو ہدایت پا جاؤگے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کرنا علامتِ ایمان اور فلاح وکامیابی کا سبب ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب مطاع معصوم ہو ورنہ ایمان کامل ملے گا نہ فلاح و کامیابی۔

دلیل نمبر۹ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى . إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى - (النجم 3،4)

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۱۰ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحٰى إِلَيَّ-(الاحقاف : 9)

ترجمہ:میں کسی اور چیز کی نہیں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۱۱- وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا -(الحشر:7)

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

دلیل نمبر ۱۲- لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 21)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

دلیل نمبر ۱۳- قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ -(آل عمران: 31)

ترجمہ: (اے پیغمبر لوگوں سے) فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے حکم اور منع کرنے کو وحی کا پابند بتلایا گیا ہے۔تو ایسا شخص جو اپنے بولنے میں وحی کا پابند ہے وہ اللہ کا نافرمان نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر ۱۴ - وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا -(النساء: 41)

ترجمہ: اور ہم آپ کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں کیونکہ فاسق کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔

دلیل نمبر ۱۵- أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ -(البقرۃ: 44)

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

ف: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔تو اگر خود نافرمان ہو جائیں معاذ اللہ تو پھر مقصدِ رسالت کو مفقود کرکے ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ'' کا مصداق بن جائیں گے اور یہ محال ہے۔ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

احادیث مبارکہ

عن عبد اللہ بن عمرو قال كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم أريد حفظه فنهتنى قريش وقالوا أتكتب كل شيء تسمعه ورسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم بشر يتكلم فى الغضب والرضا فأمسكت عن الكتاب فذكرت ذلك لرسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم فأومأ بأصبعه إلى فيه فقال اكتب فوالذى نفسى بيده ما يخرج منه إلا حق۔

(سنن ابی داؤد ج2ص514، مسند احمد ج2ص162 رقم الحدیث 6510)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھا اس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہر بات لکھ

لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ و سلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عموماً زبان سے صادر ہوتے ہیں۔تو جس ذات کی زبان ہی قبضہ خدا میں ہے تو اس شخصیت سے گناہ کا خیال کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ۔۔۔ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

[صحیح البخاری: ج1ص21]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولاتو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

ف: جھوٹ بولنا گناہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟

أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهري أو قتادة أو كلاهما أن يهوديا جاء يتقاضى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال له النبي صلى الله عليه و سلم قد قضيتك فقال اليهودي بينتك قال فجاء خزيمة بن ثابت الأنصاري فقال أنا أشهد أنه قد قضاك فقال النبي صلى الله عليه و سلم وما يدريك قال إني أصدقك بأعظم من ذلك أصدقك بخبر السماء فأجاز رسول الله صلى الله عليه و سلم شهادته بشهادة رجلين

[مصنف عبد الرزاق: ج11ص236]

ف:اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو اتنے بڑے دعوٰی کی حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

[مصنف ابن ابی شیبۃ: ج 11ص546]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ

[صحیح البخاری: ج2ص1057، صحیح مسلم ج2ص125]

ترجمہ۔حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان آدمی پر (اپنے امام یا بادشاہِ اسلام کی)اطاعت لازم ہے خوشی یا ناخوشی ہر حال میں جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب (امام یا بادشاہِ اسلام کی طرف سے) اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سنے نہ اطاعت کرے۔

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أطاعني فقد أطاع الله ومن يعصني فقد عصى الله

[صحیح مسلم ج2ص124]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقہ ہر مسلمان پر واجب ہے، اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت ونافرمانی کو اللہ کی اطاعت ونافرمانی بتلایا اور مخلوق کی ایسی اطاعت سے روکا جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔ یہ آپ علیہ السلام کے معصوم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اجماع اُمّت اور اقوال ائمہ کی روشنی میں

امام اعظم امام ابو حنیفہ (م150ھ) فرماتے ہیں

الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کلھم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح۔

[الفقہ الاکبر ص2، العقیدۃ الحنفیہ ص203]

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ، کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہیں۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م544ھ) فرماتے ہیں

اَلْاِجْمَاعُ عَلَى الْعِصْمَةِ عَنِ الْكَبَائِرِ بِلَا قَيْدٍ عَمَدًا وَسَهْوًا.

(النبراس شرح شرح العقائد: ص283)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، نہ عمداً کرتے ہیں نہ سہواً اسی پر اجماع ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (م671ھ) لکھتے ہیں

الانبیاء معصومون عن الخطاء والغلط فی اجتھادھم.

[قرطبی ج2ص2058]

ترجمہ: انبیاء اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں

اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم عَلَى التَّاَسِّىْ بِهٖ صلی اللہ علیہ و سلم فِىْ اَقْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِهٖ حَتّٰى فِىْ كُلِّ حَالَاتِهٖ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ وَلَا تَفَكُّرٍ بَلْ بِمُجَرَّدِ عِلْمِهِمْ اَوْظَنِّهِمْ بِصُدُوْرِ ذٰلِكَ عَنْهُ دَلِيْلٌ قَاطِعٌ عَلٰى اِجْمَاعِهِمْ عَلٰى عِصْمَتِهٖ وَتَنَزُّهِهٖ عَنْ اَنْ يَّجْرِىَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ اَوْبَاطِنِهٖ شَىْءٌ لَا يُتَاَسّٰى بِهٖ فِيْهِ مِمَّا لَمْ يَقُمْ دَلِيْلٌ عَلَى اخْتِصَاصِهٖ

(المرقات شرح المشکوۃ: ج1ص220)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تمام احوال میں بغیر کسی بحث و تفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آپ کی اتباع پر متفق ہو جانا واضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اور اس پر بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہراً و باطناً ایسی کوئی چیز صادر نہیں ہو سکتی جس کی اتباع نہ کی جا سکتی ہو جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر دلیل قائم نہ ہو جائے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (م1396ھ) اپنی تفسیر "معارف القرآن" میں فرماتے ہیں "تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں، جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں۔

(معارف القرآن: ج1ص195)

علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین سے نقل کرتے ہیں

قال القاضی عیاض ذهب طائفة من محقق الفقهاء والمتكلمين الى العصمة عن الصغائر كالعصمه فی الكبائر

[النبراس:ص283]

ترجمہ: قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

اب ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے دلائل کی سماعت

ا۔ عصمت دراصل انبیاء کے لوازمات ذات سے نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی ان سے منفک ہو جائے جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے، اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔

(تفہیمات ج2ص56،57اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور اشاعت اکتوبر1967ء)

۲۔ اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آگئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ "وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" (سورۃ ص)، ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔

(تفہیمات ج1 ص 193 اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

۳۔ انبیاء رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے، بیمار بھی ہوتے تھے، آزمائش میں بھی ڈالے جاتے تھے حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔

[ترجمان القرآن ص 158 مئی 1955ء]

حضرت آدم علیہ السلام کو نفس کے حوالے کیا گیا

گمان کرنے کے لئے کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے کہ شجر ممنوعہ کا چکھتے ہی آدم و حوا کے ستر جانا اور اس درخت کی کسی خاصیت کا نتیجہ تھا. دراصل یہ اللہ تعالٰی کی نافرمانی کے سوا کسی اور چیز کا نتیجہ نہ تھا. اللہ تعالٰی نے پہلے ان کا ستر اپنے انتظام سے ڈھانکا تھا. جب انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی تو خدا کی حفاظت ان سے ہٹالی گئی. ان کا پردہ کھول دیا گیا. اور انہیں خود ان کے نفس کے حوالے کر دیا گیا کہ اپنی پردہ پوشی کا انتظام خود کریں اگر اس کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اگر ضرورت نہ سمجھیں یا اس کے لئے سعی نہ کریں تو خدا کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس حال میں پھرتے ہیں۔

(تفہیم القرآن، ج2، ص 14)

بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔

[تفہیم القرآن ص 133 ج3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شرک کا ارتکاب

اس سلسلے میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تارے کو دیکھ کر کہا "یہ میرا رب ہے اور جب چاند سورج کو دیکھ کر انہیں اپنا رب کہا تو کیا وہ اس وقت عارضی طور پر ہی صحیح شرک میں مبتلا نہ ہو گئے تھے. اس کا جواب یہ ہے کہ طالبِ حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے بیچ

کی منزلوں میں غور و فکر کے لئے ٹھہرتا ہے. اصل اعتبار ان منزلوں کا نہیں ہوتا. بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدمی کر رہا ہے اور اس آخری منزل کا مقام ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے. بیچ کی منزلیں ہر جویائے کے لئے ناگزیر ہیں۔

(تفہیم القرآن، ج ا، ص 558)

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں

بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اس کو محض اس لئے اپنا سمجھنا کو وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۴۴، طبع سوم، ۱۹۶۴ء)

بعثت سے پہلے علوم انبیاء آثار کائنات کے متعلق ہوتے ہیں

سورۃ انعام کی آیت فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا کی تفسیر میں لکھتے ہیں "یہاں ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی تفکر بیان کی گئی ہے جو منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کے لئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا. اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور جسے توحید کی تعلیم کہیں سے حاصل نہ ہو سکتی تھی کس طرح آثار کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر غور و فکر اور ان سے صحیح استدلال کر کے امر حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

(تفہیم القرآن، سورہ انعام، ج ا، ص ۵۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت توحید آثار کائنات کی اسٹڈی کے متعلق تھی

سورہ ھود، رکوع ا کی آیت أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں "اس ارشاد سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے ایمان بالغیب کی منزل سے گزر چکے تھے جس طرح سورۃ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بتایا گیا کہ ہر نبی ہونے سے قبل آثار کائنات کے مشاہدہ سے وہ توحید کی معرفت حاصل کر چکے تھے. اسی طرح یہ آیت صاف بتارہی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی غور و فکر سے اس حقیقت کو پالیا تھا اور اس کے بعد قرآن نے آکر نہ اس تصدیق و توثیق کی بلکہ آپ کو حقیقت کا براہ راست علم بھی عطا کر دیا۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فریضہ رسالت میں کوتاہیوں کا الزام

سورۃ نصر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں" اس طرح جب وہ کام تکمیل کو پہنچ گیا جس پر محمدؐ کو مامور کیا گیا تھا، تو آپؐ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس کارنامے کو اپنا کارنامہ سمجھ کر کہیں فخر نہ کرنے لگنا۔ نقص سے پاک بے عیب ذات اور کامل ذات صرف تمہارے رب کی ہے، لہٰذا اس کار عظیم کی انجام دہی پر اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کرو اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک اس ۲۳ سال کے زمانے خدمت میں اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوگئی ہوں، انہیں معاف فرمادے۔

(قرآن کی چار بنیادی اصلاحیں، ص ۱۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فوق البشر ہیں نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہیں۔

[ترجمان القرآن اپریل 1976ء، خطبات: ص 8]

لیکن وعظ و تلقین میں ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی۔

[الجہاد فی الاسلام : ص 174]

ایلچی: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ایلچی ہیں۔ جنکے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون بھیجا۔

(بحوالہ: کلمہ طیّبہ کا معنی صفحہ نمبر ۹)

منکرات پر خاموش: مکّہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے منکرات (برائیوں) کا ارتکاب ہوتا تھا۔ مگر آپ صلی اللہعلیہ وسلم ان کو مٹانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اسلئے خاموش رہتے تھے۔

(ترجمان القرآن ۶۵ء ص ۱۰)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں

حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفسی کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔

[تعلیم القرآن ص 327 ج 4 طبع اوّل]

اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفسی شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی۔

[تفہیمات ج 1 ص 193 اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور]

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر "اوریا" سے طلاق کی درخواست کی۔

[تفہیمات ص 42 حصّہ دوم طبع دوم]

اسرائیلی روایت کا سہارا لے کر ایک نبی معصوم کی ذات پر الزام اہل حق کی سوچ نہیں۔ نیز نبی اصلاحِ معاشرہ کے لئے مبعوث ہوتا ہے نہ کہ خود اپنی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہونے کے لیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت داؤد سے قصور ضرور ہوا تھا، اور وہ کوئی ایسا قصور تھا جو دنبیوں والے مقدمے سے کسی طرح کی مماثلت رکھتا تھا اسی لیے اس کا فیصلہ سناتے ہوئے معاً ان کو یہ خیال آیا کہ یہ میری آزمائش ہوئی ہے، لیکن اس قصور کی نوعیت ایسی شدید نہ تھی کہ اسے معاف نہ کیا جاتا، یا اگر معاف کیا بھی جاتا تو وہ اپنے مرتبۂ بلند سے گرا دیے جاتے۔ اللہ تعالیٰ یہاں خود تصریح فرما رہا ہے کہ جب انہوں نے سجدے میں گر کر توبہ کی تو نہ صرف یہ کہ انہیں معاف کر دیا گیا، بلکہ دنیا اور آخرت میں ان کو جو بلند مقام حاصل تھا اس میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔

یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور بلندیِ درجات کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی۔ اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا۔

(تفہیم القرآن، سورہ ص، آیت ۱۵-۲۶)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد مبارک "اِجۡعَلۡنِي عَلٰى خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ" کے بارے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ محض وزیر مالیات کے منصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو اس وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔

[تفہیمات ص 122 حصّہ دوم طبع پنجم 1970ء]

یہ اختیارات جو حضرت یوسفؑ نے مانگے اور ان کو سونپے گئے ان کی نوعیت کیا تھی؟ ناواقف لوگ یہاں "خزائن ارض" کے الفاظ اور آگے چل کر غلہ کی تقسیم کا ذکر دیکھ کر قیاس کرتے ہیں کہ شاید یہ افسر خزانہ، یا افسر مال، یا قحط کمشنر، یا وزیر مالیات، یا وزیر غذائیات کی قسم کا کوئی عہدہ ہوگا۔ لیکن قرآن، بائیبل، اور تلمود کی متفقہ شہادت ہے کہ در حقیقت حضرت یوسفؑ سلطنت مصر کے مختار کل (رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر) بنائے گئے تھے اور ملک کا سیاہ و سپید سب کچھ ان کے اختیار میں دے دیا گیا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ مصر پہنچے ہیں اس وقت حضرت یوسفؑ تخت نشین تھے (ورفع ابویہ علی العرش)۔ حضرت یوسفؑ کی اپنی زبان سے نکلا ہُوا یہ فقرہ قرآن میں منقول ہے کہ "اے میرے رب، تونے مجھے بادشاہی عطا کی" (رَبِّ قدْ اٰتَیتَنی مِنَ الملک)۔ پیالے کی چوری کے موقع پر سرکاری ملازم حضرت یوسفؑ کے پیالے کو بادشاہ کا پیالہ کہتے ہیں (قالو انفقد صواع الملک)۔ اور اللہ تعالیٰ مصر پر ان کے اقتدار کی کیفیت یہ بیان فرماتا ہے کہ ساری سرزمین مصر اُن کی تھی (یتبوأ مِنھا حیث یشآء)۔ رہی بائیبل تو وہ شہادت دیتی ہے کہ فرعون نے یوسفؑ سے کہا۔

(تفہیم القرآن، سورہ یوسف، آیت ۵۰-۵۷)

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔

[تفہیم القرآن ج2 ص 313،312. طبع سوم ۱۹۶۴ء]

ایک نبی کو بے صبر اکہنا کیونکر روا ہو گا؟ رہا آپ کا تشریف لے جانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو خدا کی ذات پر یہ امید تھی کہ خدا مجھے اس پر دارو گیر نہیں کرے گا۔ لہذا حضرت یونس علیہ السلام کے اس عمل کو بے صبری اور کوتاہی کہنا کسی طرح درست نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے بغیر مارچ کرتا ہوا چلا جائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے۔

[ترجمان القرآن ص 5 ستمبر 1946ء]

کاش مودودی صاحب اسلافِ امت کو دیکھ لیتے کہ انہوں نے کیا تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب کی ملاقات کے لیے جلدی چلے تھے، وہ بات نہ تھی جو مودودی صاحب نے سوچی۔

نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔

(رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۳۱، طبع دوم)

نوٹ: یہ قتل عمداً نہ تھا بلکہ بلا ارادہ تھا۔ پھر وہ حربی فرعونی کافر تھا جس کا قتل جائز تھا۔

پھر اس اسرائیلی چرواہے کو بھی دیکھئے جس سے وادی مقدس طویٰ میں بلا کر باتیں کی گئیں۔ وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا۔

(رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۳۱، تفہیمات، ج ۱، ص ۲۹۴)

انبیاء رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے، بیمار بھی ہوتے تھے، آزمائش میں بھی ڈالے جاتے تھے حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی۔

[ترجمان القرآن ص 158 مئی 1955ء]

اگر یہی فقرے، یہی تعبیرات و تمثیلات خود مولانا موصوف کے حق میں استعمال کی جائیں تو وہ سوئے ادب میں شمار ہوں گی یا نہیں؟ مثلاً اگر کہا جائے کہ مولانا ڈکٹیٹر تھے، اپنے دور کے مسولینی تھے، جذبہ جاہلیت سے مغلوب ہو جاتے تھے۔ حاکمانہ اقتدار کا نامناسب استعمال کر جاتے تھے، اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے تھے، ان کے کاموں میں خواہش نفس کا بھی کچھ دخل ہوتا تھا۔

یقین جانیے! مولانا کا کوئی مداح اور عقیدت مند یہ الزامات برداشت نہیں کرے گا۔ اگر یہ جملے مولانا کے روبرو دھرائے جاتے تو وہ بھی صدائے احتجاج بلند کرتے۔ اب آپ ہی انصاف فرمائیں جو الفاظ سید مودودی کی ذات مآب کے لیے تنقیص شان کے آئینہ دار ہوں، وہ انبیا علیہم السلام جیسے مقدس گروہ کے حق میں محترم اور معزز کیسے ہو سکتے ہیں؟ اپنی شان تقدیس کے متعلق تو لکھتے ہیں۔

جرم نمبر ۳

صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخیاں اور انہیں معیارِ حق ماننے سے انکار۔

پہلے اہل سُنّت والجماعت کے دلائل کی سماعت

علمائے متقدمین ومتاخرین نے صحابی کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس صاحب ایمان شخص کو صحابی کہا جائے گا جس نے ایمان کی حالت میں خاتم النّبیین محمد عربی سے شرف ملاقات حاصل کیا اور اسی ایمان کے ساتھ وفات پائی، اور ظاہر ہے کہ وہ نابینا حضرات یا صحابہ کے نومولود بچے جو آنحضرت کی خدمت مبارکہ میں لائے گئے ان سب کو ملاقات حاصل ہے لہٰذا بلا تردد جماعتِ صحابہ میں ان کا شمار ہوگا۔ اس طرح کم وبیش ایک لاکھ 24 ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا پاکیزہ گروہ اس زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں علماء اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف کا بالاتفاق قول ہے کہ سب کے سب نجومِ ہدایت ہیں کیونکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے: **اَصْحَابِی کَالنُّجومِ بأیھم اقتدیتم اہتدیتم (ترمذی)**۔ گروہِ صحابہ کا وجود، رسول اللہ کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب کے عالمگیر پیغامِ رسالت کو خطۂ ارضی کے ہر گوشہ تک اس کی حقیقی روح کے ساتھ پھیلایا اور اس طرح آنحضور کا رحمۃ للعالمین ہونا بھی ثابت کردیا اور وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سبا 28) کی تفسیر بھی دنیا کے سامنے پیش کردی گئی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ برگزیدہ جماعت کے ذریعہ اسلام کا تعارف بھی کرادیا گیا اور رسول عربی کی سیرتِ طیبہ اور سنت کو عام کیا گیا۔ اگر رسول اللہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الگ رکھ کر ان کو عام انسانوں کی طرح خاطی وعاصی تصور کرکے غیر معتبر قرار دیا جائے گا تو اسلام کی پوری عمارت ہی منہدم ہوجائیگی۔ نہ رسول اللہ کی رسالت معتبر رہے گی، نہ قرآن اور اس کی تفسیر اور حدیث کا اعتبار باقی رہے گا کیونکہ اللہ کے رسول اللہ نے جو کچھ من جانب اللہ ہم کو عطاء کیا ہے وہ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی معرفت پہنچا ہے۔ خود معلم انسانیت محمد عربی ﷺ نے اپنے جاں نثار اطاعت شعار صحابہؓ کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ کرامؓ نے اوّل اوّل، زبان رسالت سے آیاتُ اللہ کو ادا ہوتے سنا

تھااور کلام رسول کی سماعت کی تھی پھر دونوں کو دیانت وامانت کے ساتھ اسی لب ولہجہ اور مفہوم ومعانی کے ساتھ محفوظ رکھا اور بحکم رسول عربی اس کو دوسروں تک پہنچایا کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے ان کو تبلیغ کا مکلف بنایا تھا: **بَلِّغُوْ عَنِّي وَلَوْ آيَةً** ”میری جانب سے لوگوں کو پہنچادو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔“ (بخاری ومسلم)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہِ نبوت میں حاضری کا مکلف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدبہ جماعت اللہ کے رسول کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک جماعت کی آپ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت میں موجود نہیں اُن تک اِن نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں: ”اور مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ سب کے سب چلے جائیں، تو کیوں نہ ہر فرقہ میں سے نکلی ایک جماعت جو مہارت ورسوخ حاصل کرتی دین میں اور تاکہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ لوٹ کر آئیں ان کے پاس، ہوسکتا ہے کہ وہ ڈریں۔“ (التوبہ 122)۔ حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے سچی محبت نہیں ہوسکتی اور صحابہ کرامؓ کی پیروی کئے بغیر آنحضور ﷺ کی پیروی کا تصور محال ہے کیونکہ صحابہ کرامؓ نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباعِ سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال وجمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت نے اپنے قولِ پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے، ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔

اس نے صحابہ کرامؓ کی اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرماکر قیامت تک کیلئے ان نفوسِ قدسیہ پر تنقید وتبصرہ اور جرح وتعدیل

کا دروازہ بند کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان کی صداقت اور اپنی پسندیدگی کی سند بھی بخشی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت صحابہ کرامؓ پر نقد و تبصرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کو علمائے حق نے نفس پرست اور گمراہ قرار دیا ہے۔ ایسے افراد اور جماعت سے قطع تعلق ہی میں خیر اور ایمان کی حفاظت ہے۔ قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق آیات پر ایک نظر ڈالئے پھر ان کے مقام و مرتبہ کی بلندیوں کا اندازہ لگایئے، اس کے بعد بھی اگر کسی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی جرأت کی ہے تو اس کی بدبختی پر کفِ افسوس ملئے۔ صحابہ سراپا ادب اور پیکرِ تقویٰ تھے: ارشاد ربانی ہے: "بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے، ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔" (الحُجُرات 3)۔ کفر و فسق سے محفوظ تھے: "اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں، اگر بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کی (تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر و فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی، ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔" (الحُجُرات 7) عبادت کے خوگر اور رحمدل تھے: "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، (اے مخاطب) تُو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں، ان کے چہروں پر (عبدیت) کے آثار سجدوں کی تاثیر سے ہے۔" (الفتح 29)۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب سورہ فتح کی تفسیر کرتے ہوئے معارف القرآن، جلد 8 میں تحریر کرتے ہیں: "قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات اسی سورۃ میں آچکی ہیں: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (الفتح 18)۔ * اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (الفتح 26)۔ انکے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے: يَوْمَ لَا يُخْزِ اللّٰهُ النَّبِيَّ

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْ مَعَهٗ (التحریم 8)۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (التوبہ 100)۔ سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں فرمایا ہے: وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (الحدید 10)۔ " ان سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے۔ " سورہ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء 101)۔ "جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے۔ "

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ

ترجمہ: یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ

ترجمہ: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ان کے لیے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

صحابہ پر طعنہ زنی جائز نہیں: امام المفسرین علامہ قرطبی اپنی مشہور و معروف تفسیر قرطبی جلد نمبر 16، ص:322 پر رقم طراز ہیں: "یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور ان سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے ان کے باہمی اختلافات میں کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہتر طریقہ پر کریں کیونکہ صحابیت بڑی حرمت

(وعظمت) کی چیز ہے اور نبی نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کرر کھاہے اور ان سے راضی ہے۔

(بحوالہ معارف القرآن، ج:8)۔

ہر مشکل کا حل اتباعِ صحابہ: آج ہم مسلمانوں کو عالمگیر سطح پر مشکلات کا سامنا ہے۔ ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی ہے۔ دشمنانِ اسلام متحد اور اسلام کو مٹانے پر متفق ہیں۔ مسلمانوں پر طرح طرح سے الزامات اور بہتان تراشی ہو رہی، پوری دنیا میں اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں میڈیا سرگرم ہے۔ یورپ میں مسلمانوں کیخلاف نفرت کی لہر چل رہی ہے۔ ہم ایک خطرناک اور نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ان حالات میں صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اِن پاکیزہ نفوس کو بھی ان حالات کا سامنا تھا بلکہ بعض اعتبار سے آج کے حالات سے زیادہ خطرناک صورتحال تھی۔ مکہ میں ابتلاء و آزمائش کے شدید دور سے گزرتے تھے، تعداد بھی کم تھی اور وسائل بھی نہیں تھے ۔ حدیبیہ میں یہودیوں اور منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور سازشیں تھیں۔ مشرکین مکہ کے حملے اور یہودی قبائل سے لڑائیاں تھیں پھر دائرہ وسیع ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ کے خطرناک عزائم تھے۔ ان سب حالات کا مقابلہ صحابہ کرامؓ نے جس حکمت عملی اور صبر واستقامت سے کیا وہی تاریخ ہم کو دہرانی پڑے گی اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیرتِ صحابہؓ کا مطالعہ کریں۔ ان کو اپنا رہنما و مقتدا جان کر اِس محبت وعقیدت سے ان کی پیروی کریں کہ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ صحابہ ہمارے لئے معیار حق اور مشعل راہ ہیں، ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی گوارہ نہیں۔ انکی عظمت شان کی بلندیوں تک کسی کی رسائی نہیں۔ عصر حاضر میں ان حضرات کی پیروی گزشتہ صدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ضروری اور اہم ہے اور کامیابی کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں۔ میں نے چند آیات کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے ہیں جبکہ

کتبِ احادیث میں مناقبِ صحابہ ایک مستقل باب ہوتا ہے جس میں انفرادی طور پر کبار صحابہؓ کے مناقب بھی ہیں اور مجموعی طور پر تمام اصحاب رسول کی عظمت وجلالت کا ذکر بھی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تنقید سے بالاتر ہیں

اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مختلف مواقع پر اپنے پیارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وشان بیان فرمائی، چنانچہ

۱۔ارشاد فرمایا: میرے صحابہ کے معاملے میر الحاظ کرنا کیونکہ وہ میری امت کے بہترین لوگ ہیں۔

(حلیۃ الاولیا ۱/۳۱۱)

۲۔ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا، کون لوگ بہتر ہیں؟

ارشاد فرمایا، بہتر لوگ اس زمانے کے ہیں جس میں، میں ہوں اس کے بعد دوسرے زمانے کے اور اس کے بعد تیسرے زمانے کے۔(مسلم کتاب فضائل الصحابہ ص ۱۳۷۱ حدیث ۲۵۳۳)

۳۔ارشاد فرمایا، اس مسلمان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے میرے صحابی کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہو۔

(ترمذی باب ماجا فی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ ۴۲۱، ۵، حدیث ۳۸۸۴)

یوں تو تمام ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان عادل متقی، پرہیز گار اپنے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جان نچھاور کرنے والے اور رضائے الٰہی کی خوش خبری پانے کے ساتھ ساتھ بے شمار فضائل و کمالات رکھتے ہیں، لیکن ان مقدس حضرات کی طویل فہرست میں ایک تعداد ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہے جو ایسے فضائل وکمالات رکھتے ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اور ان میں سر فہرست وہ عظیم ہستی ہیں کہ جب حضرت سیدنا محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد (اس امت کے) لوگوں میں

سب سے بہترین شخص کون ہیں؟ تو حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

(بخاری، حدیث 3671، ج2، ص522)

یوں تو تمام ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان ہی ہدایت کے درخشندہ ستارے ہیں لیکن خلفائے راشدین اس معاملے میں تمام سے ممتاز و یگانہ ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں بھی انہیں خلفائے راشدین فرمایا گیا یعنی ہدایت یافتہ خلفا نیز ہمیں ان کی اتباع کی خصوصی تاکید کی گئی، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: مَنْ یَعِشْ مِنْکُمْ بَعْدِیْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّتِ خُلَفَاءِ الْمَهْدِیِّیْنَ الرَّاشِدِیْنَ تَمَسَّکُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِیَّاکُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّکُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ

تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلاف دیکھے گا پس تمہارے اوپر لازم ہے میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت، اس کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے داڑھوں سے پکڑو اور نئی باتوں سے بچو بے شک ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(ابوداؤد: کتاب السنہ۔) (مؤطا امام مالک، تحت الحدیث۔709۔3/108)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: لا تسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه ۔ یعنی میرے صحابہ کو برا نہ کہو، کیونکہ اگر تم میں کوئی احد (پہاڑ) بھر سونا خیرات کرے تو ان کے ایک مد کو پہنچے نہ آدھے کو۔

(مسلم، بخاری، شرح مشکوۃ المصابیح، جلد ۸، صفحہ ۲۹۱، حدیث ۵۷۴۷)

صحابہ کرام کی عظمت و شان کے بارے میں چند فرامین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ کیجیے:

جب اللہ پاک کسی کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں میرے تمام صحابہ کی محبت پیدا فرمادیتا ہے۔

(تاریخ اصبهان، ج1؛ ص467، رقم 929)

جو میرے صحابہ کو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت اور جو ان کی عزت کی حفاظت کرے، میں قیامت کے دن اس کی حفاظت کروں گا۔ یعنی اسے جہنم سے محفوظ رکھوں گا۔

(السراج المنیر شرح جامع الصغیر، ج3،86)

میرے تمام صحابہ میں خیر (یعنی بھلائی) ہے۔ (ابن عساکر، ج184، 29)

میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنالینا۔ پس جس شخص نے ان سے محبت کی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے میرے بغض کے سبب ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا پہنچائی تو اس نے ضرور مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی تو ضرور اس نے اللہ پاک کو ایذا پہنچائی تو جس نے اللہ پاک کو ایذا پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ پاک اس کی پکڑ فرمائے گا۔

(ترمذی، ج5: ص463، حدیث3888)

جب تم لوگوں کو دیکھو کہ میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو کہو: اللہ پاک کی لعنت ہو تمہارے اُوپر۔

(ترمذی: حدیث3892)

امام مالک فرماتے ہیں کہ صحابہ کو برا کہنے والا قتل کا مستحق ہے کے اس کا یہ عمل عداوت رسول کی دلیل ہے (مرقات) اور عداوت رسول عداوت رب ہے ایسا مردود دوزخ ہی کا مستحق ہے۔

(مخرج مراۃ المناجیح جلد ہشتم)

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا، میرا کوئی بھی صحابی جہاں بھی فوت ہوگا تو قیامت کے دن لوگوں کے لیے وہ (صحابہ) قائد اور نور بن کر اٹھے گا۔

(جامع ترمذی، جلد٦، ص١٨٠)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تو جس کی پیروی کروگے ہدایت پا جاؤ گے

(مشکوۃ ۶۰۱۷/ ۲)

صحابہ کرام اہل خیر و صلاح ہیں اور عادل ہیں، ان کا جب ذکر کیا جائے تو خیر کے ساتھ ان کا ذکر کرنا فرض ہے۔

(بہار شریعت ص ۲۵۲)

اور کوئی ولی کتنے ہی بڑے مرتبہ کا ہو، کسی صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

(بہار شریعت جلد ۲۵۳)

احمد رضا خان بریلوی صاحب فرماتے ہیں: تابعین سے لے کر تا قیامت امت کا کوئی ولی کیسے ہی عظیم پایہ (مرتبہ) کو پہنچے ہرگز ہرگز ان (یعنی صحابہ) میں سے ادنی سے ادنی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، اور ان میں کوئی ادنی نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج۲۹، ص۳۵۷)

:سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

ابو بکر فی الجنة و عمر فی الجنة وعثمان فی الجنة و علی فی الجنة و طلحة فی الجنة و الزبیر فی الجنة و عبدالرحمن بن عوف فی الجنة و سعد بن أبي وقاص فی الجنة و سعید بن زید فی الجنة و ابو عبیدہ بن الجراح فی الجنة

ابو بکر (صدیق) جنت میں ہیں (۲) عمر جنت میں ہیں (۳) عثمان جنت میں ہیں (۴) علی جنت میں (۱) ہیں (۵) طلحہ جنت میں ہیں (۶) زبیر جنت میں ہیں (۷) عبد الرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں (۸) سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں (۹) سعید بن زید جنت میں ہیں (۱۰) اور ابو عبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

(سنن الترمذی: ۳۷۴۷ و إسناده صحیح، أضوء المصابیح: ۶۱۰۹)

یہ عشرہ مبشرہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ راضی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ وفات تک اس جماعت: علی، عثمان، زبیر، طلحہ اور عبد الرحمن (بن عوف رضی اللہ عنہم) سے راضی تھے۔

(صحیح البخاری: ۳۷۰۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ حراء (پہاڑ) پر تھے، آپ کے ساتھ ابو بکر (الصدیق)، عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) تھے اتنے میں زلزلے کی وجہ سے) پتھر ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا: (اهدا فما علیک إلا نبی أو صدیق أو شهید) ٹھہر جا، اس وقت تجھ پر صرف نبی، صدیق اور شہید کھڑے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۴۱۷)

اس صحیح حدیث میں ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ابو بکر (عبد اللہ بن عثمان) الصدیق کا لقب "صدیق" نبی کریم ﷺ کا رکھا ہوا ہے۔ اس حدیث میں یہ غیب کی خبر ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوں گے جبکہ سیدنا عمر و سیدنا عثمان و سیدنا علی و سیدنا طلحہ و سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم شہید ہوں گے۔ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

صحابہ کرام پر تنقید کرنا اور اُن کی خامیاں بیان کرنا اہلِ بدت کا خاصہ ہے۔ اہلِ سنت تو صحابہ کرام سے قرآن و حدیث کی گواہی کی وجہ سے محبت ہی محبت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پیارے صحابہ کرام قرآن و حدیث کو اُمت مسلمہ تک پہنچانے والے ہیں، اللہ نے اُن سے راضی ہو کر " رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ " کا تاج انہیں پہنا دیا ہے۔ سبحان اللہ مشہور ثقہ عابد فقیہ امام معافی بن عمران الموصلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۵ھ) سے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بارے

:میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا

لا یقاس بأصحاب رسول ﷺ أحد، معاویة صاحبه و صهره و کاتبه و أمینه علی وحی اللہ عزوجل

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ کوئی بھی برابر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) آپ کے صحابی، ام المؤمنین ام حبیبہ کے بھائی، کاتب اور اللہ کی وحی (لکھنے) کے امین ہیں

(تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۹ ت ۴۸ وسندہ صحیح)

:مشہور جلیل القدر تابعی کبیر امام مسروق بن الاجدع رحمہ اللہ (متوفی ۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ

حب أبي بکر و عمر و معرفة فضلهما من السنة۔ ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اور اُن کی فضیلت پہچاننا سنت ہے۔

تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۵۷/۳۲، المعرفة و التاریخ للإمام یعقوب بن سفیان الفارسی ۸۱۳/۲ وسندہ صحیح)

رضی اللہ عنهم أجمعین

صحیح راستہ

راہِ نجات) تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب خصوصاً خلفائے راشدین کے طریقے اور سنت کی پیروی کی جائے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملّة كلهم في النار إلا ملة واحدة. قالوا: ومَنْ هي يا رسول الله! قال: ما أنا عليه وأصحابي

(ترمذی، رقم: ۲۶۴۱)

ترجمہ: میری امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور بہ جز ایک فرقے کے سب فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ ایک فرقہ کون ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ اور جو لوگ اس طریقے پر عمل کرتے ہیں انہی لوگوں کو اہل السنة والجماعت" کہا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

اب مودودی صاحب کے دلائل کی سماعت

مودودی صاحب لکھتے ہیں:- اس معاملے، یں جب ہم سب سے پہلے کتاب اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی مقام پر بھی صحابہ کرام کے انفرادی افعال اور اعمال کو ہمارے لئے مستقل اسوہ اور مرجع قرار نہیں دیا گیا

(ترجمان القرآن، نومبر ۴۳ء)

یہ روایت العموم اس طرح بیان کی جاتی ہے (میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں۔ ان میں جس کی بھی اقتداء کروگے راستہ پاؤگے) اگرچہ اصول فقہ کی کتابوں میں اس روایت کا بجاذ کر کیا جاتا ہے۔ لیکن میرے علم میں کوئی ایک اصول یا فقہ بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس روایت سے صحابی کے قول و فعل کو مطلقاً حجت ثابت کرنے کی کوشش کی ہو۔

(ماہنامہ ترجمان القرآن نومبر ۶۳ء)

حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہد نبوی میں مسلمان تھے اور نہ اس کے بعد کبھی ان کو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ معیاری مسلمان تو دراصل اس زمانے میں بھی وہی تھے اور اب وہی ہیں جو قرآن اور حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کی رگ وپے میں قرآن کا علم اور بنی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو۔ باقی رہے عوام تو وہ اس وقت بھی ان معیاری مسلمانوں کے پیرو تھے۔ اور آج بھی ہیں

(تفہیمات، ج ا، ص ۳۷۹)

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیار حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلانہ ہو ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اسی معیار کامل پر جانچے اور پرکھے، اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے"۔

(دستور جماعت اسلامی، ص ۶)

اس کو کسی بات پر آمادہ کردینے اور کسی چیز سے روک دینے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہو کہ اس بات کا حکم یا اس چیز کی ممانعت رسولِ خدا ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری دلیل پر اس کی اطاعت موقوف نہ ہو۔

(دستور جماعت اسلامی، ص ۶)

رسولِ خُدا کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی ورہنمائی تسلیم نہ کرے دوسرے انسانوں کی پیروی کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ کے تحت، نہ کہ ان سے آزاد۔

(دستور جماعت اسلامی، ص ۶)

محمد ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے کسی دوسرے انسان کا یہ منصب تسلیم نہ کرے کہ اس کو ماننے یا نہ ماننے پر آدمی کے کفر و ایمان کا فیصلہ ہو۔

(دستور جماعت اسلامی، ص ۶)

اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں جو زہر مودودی صاحب سے "تجدید و احیائے دین، خلافت وملوکیت اور تفہیم القرآن" وغیرہ میں نکالا ہے اسے ہم خالص شیعت کا ہی ذہن سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"چناچہ یہ یہودی اخلاق ہی کا اثر تھا کہ مدینہ میں بعض انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی خاطر اپنی بیویوں کو طلاق دیکر ان سے بیاہ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے"۔

(تفہیمات، ج ۲، ص ۳۵، طبع دوم)

"حضرت عثمانؓ جن پر اس کار عظیم (خلافت) کا بار رکھا گیا تھا، ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشرؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔"

(تجدید و احیائے دین، ص ۲۳)

"لیکن ان کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (پانچ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا"۔

(خلافت وملوکیت، صفحہ وحاشیہ ۱۰۶، طبع دوم)

"حضرت عثمانؓ کی پالسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو، اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل وانصاف کا تقاضہ ہے اور نہ دین کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے"۔

(خلافت وملوکیت، ص۱۱۶)

کاتب وحی امیر معاویہؓ پر الزام "ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبون میں بر سر منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضورؐ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا"۔

(خلافت وملوکیت، ص۱۷۴، طبع ۲۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں: "وہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کچھ زیادہ جری ہوگئیں تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان درازی کرنے لگی تھیں"۔

(ہفت روزہ ایشیا الاہور، ۱۹ نومبر ۱۹۷۶ء بحوالہ دوبھائی ص ۵۸)

"سود خوری جس معاشرے میں ہوتی ہے وہاں سے غلطیاں ہوتی ہیں جو صحابہ نے کی، کیونکہ صحابہ کرام میں غرور تھا، نفرت والے تھے، کنجوس اور بخیل تھے اور حضرت عثمان ڈرپوک تھے، ان سب پیٹوں میں شراب تھی اور اسی وجہ سے مسلمانوں کو غزوہ احد میں شکست ہوئی"۔

(تفہیم القرآن، ج ا، ص ۲۸۸، ۱۹۹۶ ایڈیشن)

حضرت علیؓ کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں " جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ انکے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف ایک ہی کام ایسا نظر آیا جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں"

(خلافت وملوکیت، ص ۱۴۶)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلہ بھی حجت اور معیارِ حق نہیں ہیں۔

(ترجمان القرآن جنوری:۵۸)

جرم نمبر ۴

رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ، کتب الصحاح اور محدثین کا انکار۔

پہلے صحاح ستہ کا تعارف

حدیث کے 6 مستند اور مشہور مجموعوں کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان کتابوں کو اسلامی تعلیم سمجھنے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

صحیح بخاری (امام بخاری)

صحیح مسلم (امام مسلم)

جامع ترمذی (امام ترمذی)

سنن ابو داؤد (امام ابو داؤد)

سنن نسائی (امام انسائی)

سنن ابنِ ماجہ (امام ابنِ ماجہ)

محدثین کی ان کتابوں میں ایک طرف دینی معلومات جمع کی گئیں اور دوسری طرف ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے صحیح تاریخی واقعات جمع کیے گئے ہیں۔ اس طرح احادیث کی یہ کتابیں دینی و تاریخی دونوں اعتبار سے قابل بھروسہ ہیں۔

صحاحِ ستہ کے معنی "مستند چھے" یعنی کہ چھ مستند کتابیں ہیں،

محمد بن اسماعیل البخاری جنہوں نے حدیث کی مستند ترین کتاب صحیح بخاری مرتب کی، اس کتاب کو مرتب کرنے میں اُنہیں سولہ (16) سال کا عرصہ لگا۔ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کسی بھی حدیث کو محفوظ کرنے سے پہلے غسل کر کے نوافل پڑھتے اور پھر حدیث کو محفوظ فرماتے۔

امام بخاری کا انتقال 256ھ / 70-869ء کو سمرقند میں ہوا۔

مسلم بن حجاج النیشاپوری: جن کا انتقال 261ھ / 5-874 کو نیشاپور میں ہوا۔ انہوں نے حدیث کی دوسری مستند ترین کتاب صحیح مسلم مرتب کی۔

أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير الأزدي السجستاني: ایک عرب نژاد فارسی جن کا انتقال 275ھ /9-888ء میں ہوا۔

ابو عیسٰی محمد بن ترمذی: جنہوں نے مشہور ترمذی شریف مرتب کی۔ آپ امام بخاری کے شاگرد تھے۔ آپ کا انتقال 279ھ /3-892ء میں ہوا۔

أحمد بن شعیب النسائي جو کہ خراسان سے تھے اور 303ھ /16-915ء میں انتقال کر گئے۔ اُنہوں نے حدیث کی معروف کتاب سنن نسائی ترتیب دی۔

محمد بن یزید ابن ماجہ: ان کا انتقال 273ھ /87-886ء میں ہوا۔

اہل سنت والجماعت" اپنا فقہ: اجماع، کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے اخذ کرتے ہیں، وہ اقوال صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کو (اس باب میں) معتبر سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں کے اکابر علماء کی اتباع کرتے ہیں ، جیسے : امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ۔ اور ان کے بعد کے علماء، فقہاء اور ائمہ متبوعین و متبعینِ سنت کی بھی اتباع کرتے ہیں، جو امت میں خیر سے مشہور ہیں۔

اہل سنت والجماعت" نبی ﷺ کی اتباع کرنے اور آپ کے احوال سے واقفیت رکھنے میں سب سے زیادہ حریص ہیں، وہ صحابہ کرام کے منہج کے سب سے زیادہ موافق ہیں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ جو بھی اہل سنت کا دعوی کرے، یا اپنے گروہ کا سلفی نام رکھ لے، یا اپنی جماعت کو اہل حدیث یا اہل اثر سے موسوم کرے وہ صحیح معنوں میں ویسے ہی ہوں گے، ہرگز نہیں ! یہاں تو منہج اور اس کی اتباع اور تمسک کا اعتبار ہے، نہ کہ نام اور شہرت کا۔

ہاں سنت سے مراد: وہ علم، عقیدہ اور طریقہ ہے جس پر نبی کریم ﷺ تھے، یعنی ہر وہ چیز جو نبی اکرم ﷺ امت کے پاس لے کے آئے تھے وہ سنت ہے۔

اور جماعت جب سنت کے ساتھ آئے تو: اس سے مراد نبی ﷺ کے صحابہ اور ان کے منہج اور طریقہ پر چلنے والے لوگ ہیں۔

اہل سنت والجماعت" عقیدہ میں اپنا مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو مانتے ہیں، اسی طرح سلف نے جو عقیدہ دونوں وحی کے نصوص سمجھ کر اختیار کیا ہے اسے معیار حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت" اپنے کو عقیدہ میں کسی معین شخص یا معین فرقہ کی طرف منسوب نہیں کرتے ہیں، وہ اپنے کو صرف سنت رسول اور سلف صالحین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے کو نہ تو اشعری کہتے، نہ ماتریدی، نہ جہمی، نہ جعدی، نہ زیدی اور نہ ہی عبیدی کہتے، اسی طرح نہ وہ اپنے کو معتزلہ کی طرف منسوب کرتے، نہ مرجیہ اور قدریہ کی طرف... ان کی نسبت ہوتی ہے تو صرف سنت رسول اور صحابہ کرام کی طرف یعنی " ماأنا عليه وأصحابي "جس پر نبی کریم ﷺ اور اور ان کے صحابہ تھے۔

☆☆☆☆☆☆

اب مودودی صاحب کے دلائل کی سماعت

محمد ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے والے کسی دوسرے انسان کا یہ منصب تسلیم نہ کرے کہ اس کو ماننے یا نہ ماننے پر آدمی کے کفر و ایمان کا فیصلہ ہو

(دستور جماعت اسلامی، ص ٦)

"جو حالات عہد رسالت اور عہد صحابہ میں عرب اور دنیائے اسلام کے تھے لازم نہیں کہ بعینہ وہی حالات ہر زمانے اور ہر ملک کے ہوں لہذا احکام اسلامی پر جو عمل کرنے کی جو صورتیں ان حالات اختیار کی گئی تھیں ان کو ہو بہو تمام زمانوں اور تمام حالات میں قائم رکھنا اور مصالح اور حکم کے لحاظ سے ان کے

جزئیات میں کسی قسم کا ردوبدل نہ کرنا ایک طرح کی رسم پرستی ہے جن کو روحِ اسلام سے کوئی واسطہ نہیں"

(تفہیمات، حصہ دوم، ص ۳۶۶)

مودودی صاحب کے نزدیک اصول حدیث بکواس ہے

مودودی صاحب لکھتے ہیں "اصول روایت کو چھوڑیئے کہ اس دور جدید میں اگلے وقتوں کی بکواس کون سنتا ہے"

(ترجمان القرآن، ج ۱۴، عدد ۲، ص ۱۱۱)

"آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں. لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے"

(رسائل ومسائل، ج ۱، ص ۲۹۰)

" تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے قریب تھا کہ عمر بن عبدلعزیزؒ اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ چناچہ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے"۔

(تجدید واحیائے دین، ص ۴۹)

"میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں، جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں، اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے عتبار سے درست نہیں پاتا۔ اس کو صاف صاف نادرست کہتا ہوں"۔

(رسائل ومسائل، ج ۱، ص ۳۲۱)

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے"۔

(رسائل ومسائل، ج ۱، ص ۱۵۵، طبع دوم)

یہ ہے اس عبادت کی حقیقت جس کے متعلق لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض نماز، روزہ اور تسبیح و تہلیل کا نام ہے اور دنیا کے معاملات سے اس کو کچھ سروکار نہیں۔ حالانکہ دراصل صوم وصلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ اور ذکر و تسبیح انسان کو اس بڑی عبادت کے لیے مستعد کرنے والی تمرینات Training Courses ہیں، جو انسان کی زندگی کو حیوانی زندگی کے ادنیٰ مقام سے اٹھا کر انسانی زندگی کے بلند ترین مقام پر لے جاتی ہیں۔ اس کو اضطرار و اختیار دونوں میں اپنے مالک کا مطیع و فرماں بردار بندہ بنا دیتی ہیں، اور اسے بادشاۂ حقیقی کی سلطنت کا ایسا ملازم بناتی ہیں کہ اس کی خدمت وہ اپنے جسم و جان کی ساری قوتوں کے ساتھ اپنی زندگی کے ہر لمحے میں کرتا ہے۔ (تفہیمات، ج ۱، ص ۶۹)

میں پچھلے زمانے کے آئمہ، حدیث و فقہ و تفسیر ہی سے استفادہ کرتا ہوں اور انکا پورا ادب ملحوظ رکھتا ہوں۔ مگر کسی کی بات بھی صرف اس بنا پر نہیں مان لیتا کہ یہ فلاں بڑے شخص نے کہی ہے۔ بلکہ خود بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور اپنے دماغ سے سوچتا ہوں اور جو بات تحقیق سے مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے اسے مانتا ہوں اور جو غلط معلوم ہوتی ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

(مکاتب زندان ۸۹، بحوالہ جسارت ص ۸۸، کراچی)

میں اسوہ اور سنت و بدعت وغیرہ اصلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بلعموم آپ حضرت کے یہاں رائج ہے- آپکا خیال ہے کہ نبی صل الہُ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی ڈاڑھی رکھنا سنت یا اسوہ رسول ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر انکی اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے۔ (رسائل ومسائل حصہ اول ص 247،248 'انکشافات ص 74)

احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں۔ جن سے اگر کوئی چیز حد سے ثابت ہو سکتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ علمِ یقین۔

(ترجمان القرآن، ربیع الاول 1365ھ)

یہ بھی مسلم ہے کہ نقدِ احادیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اَخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔ کلام اس میں نہیں۔ بلکہ اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔

(تفہیمات ص ۳۱۸)

تیسری اہم چیز سلسلۂ اسناد ہے محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا اس کا ہمعصر تھا یا نہیں؟ ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا تو آیا یہ خاص حدیث خود اس سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق کہ یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو متصل السند قرار دیتے رہے ہیں وہ در حقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بناء پر یہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ

نبوی ﷺ اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اس پر اعتماد کر لیا جائے۔

(تفہیمات، ص ۳۲۲،۳۲۱)

کیا ضروری ہے کہ جس کو انہوں (محدثین) نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو ۔اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو۔ اور اس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔

(تفہیمات ص ۳۲۲،۳۲۱)

آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس کو وہ (محدثین) صحیح قرار دیتے ہیں وہ درحقیقت صحیح ہے صحت کا کامل یقین ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظنِ غالب ہے۔ مزید بر آں یہ کہ ظنِ غالب جس بناء پر ان کو حاصل تھا وہ بلحاظ روایت نہ کہ بلحاظ درایت، ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا، فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا۔ اس لئے فقیہانہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہاء مجتہدین کی نسبت کمزور تھے۔ پس ان کے کمالات کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہیں اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اَسناد دوسری بلحاظ تفقہ۔

(تفہیمات ص ۳۱۹)

محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا۔ اس لئے ان پر اَخباری نقطۂ نظر غالب ہو گیا تھا اور وہ روایت کو معتبر غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے۔ کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں؟ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو وہ ان کے موضوعِ خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا۔ اس لئے اکثر وہ ان نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں۔ حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ امور شریعت میں نظر رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے۔ اور محدثین صحیح احادیث سے استنباطِ احکام و مسائل میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ جو فقیہان مجتہدین نے رکھا ہے۔

(تفہیمات ص ۳۲۹)

یہ بات قابلِ انکار ہے۔ کہ جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔ اس لئے صحت کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہیے۔

(تفہیمات ص ۳۲۹)

احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پا سکتیں۔

(ترجمان القرآن فروری 1946ء)

ان (محدثین) کی نگاہ میں احادیث معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک اسی معیار کی ہم پابندی کر دیں۔ مثلاً مشہور (حدیث) کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر، اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے تجاوز نہ کریں۔ یہی وہ مسلک ہے جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت..... کی طرف دھکیل دیا ہے۔

(تفہیمات ص ۱۱۸)

آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک اسناد کی صحت حدیث کی صحت معلوم کرنے کا ایک ہی ذریعہ

نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث رسول ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم متن پر غور کرنا، قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے، اس کا لحاظ کرنا، اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت ثابتہ ہمیں معلوم ہوا اس پر نظر ڈالنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

(رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۲۹۰)

پہلی چیز جو مجھ کو مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب اور انکے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پوار اندازہ نہیں لگایا اور نادانستہ ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرنے کی ضرورت تھی۔ حاشا کہ مجھے فی نفسہ اس تصوف پر اعتراض نہیں ہے جو ان حضرات نے پیش کیا وہ بجائے خود اپنی روح کے اعتبار سے اسلام کا اصلی تصوف ہے اور اس کی نوعیت احسان سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ لیکن جس چیز کو میں لائق پرہیز کہہ رہا ہوں وہ متصوفانہ رموز و اشارات اور متصوفانہ طریقہ سے مشابہت رکھنے والے طریقوں کو جاری رکھنا یہ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلامی تصوف اس خاص قالب کو محتاج نہیں ہے اس کے لیے دوسرا قالب بھی ممکن ہے اس کے لیے زبان بھی دوسری اختیار کی جاسکتی ہے۔ رموز و اشارات سے بھی اجتناب کیا جاسکتا ہے۔ پیری مریدی اور اس سلسلے کی تمام عملی شکلوں کو بھی چھوڑ کر دوسری شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں پھر کیا ضرورت ہے اس پرانے قالب کو اختیار کرنے پر اصرار کیا جائے جس میں مدتہائے دراز سے جاہلی تصوف کی گرم بازاری ہو رہی ہے اسکی کثرت اشاعت نے مسلمانوں کو جن سخت اعتقادی و اخلاقی بیماریوں میں مبتلا کیا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اب حال یہ ہو چکا ہے کہ ایک شخص خواہ کتنی بھی تعلیم دے بہر حال یہ قالب استعمال کرتے ہی وہ تمام بیماریاں پھر عود کر آتی ہیں جو صدیوں کے رواج عام سے اسکے ساتھ وابستہ ہو گئی ہیں۔

پس جس طرح پانی جیسی حلال چیز بھی اس وقت ممنوع ہو جاتی ہے جب وہ مریض کے لیے نقصان دہ ہو اسی طرح یہ قالب بھی مباح ہونے کے باوجود اس بناء پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہو گیا ہے اس کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چینا بیگم یاد آجاتی ہے جو صدیوں ان کو تھپک تھپک سلاتی رہی ہیں بیعت کا معاملہ پیش آنے کے بعد کچھ دیر نہیں لگتی کہ مریدوں میں وہ ذہنیت پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے جو مریدی کے ساتھ مختص ہو چکی ہے یعنی سجادہ رنگین کن گرتے پیر مغاں کوید۔ والی ذہنیت جس کے بعد پیر صاحب میں اور اربان من دون اللہ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔

(تجدید واحیائے دین ص 114-122 ملخص)

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سُنّت بنویؐ اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد کی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں کہ اسی پر کلی اعتماد کر لیا جائے۔

(تفہیمات، ج ۱، ص ۲۹۴)

جورابوں پر مسح کرنے کے بارے میں ابو الاعلیٰ مودودی صاحب لکھتے ہیں

ہر وہ چیز جو سردی سے یا راستے کے گرد و غبار سے بچنے کے لیے یا پاؤں کے کسی زخم کی حفاظت کے لیے آدمی پہنے اور جس کے بار بار اتارنے اور پھر پہننے میں آدمی کو زحمت ہو اس پر مسح کیا جا سکتا ہے، خواہ وہ اونی جراب ہو یا سوتی، چمڑے کا جوتا ہو یا کِرمچ کا، یا کوئی کپڑا ہی ہو جو پاؤں پر لپیٹ کر باندھ لیا گیا ہو۔

(رسائل و مسائل: ج 2 ص 184، 185)

جرم نمبر ۵

اہل سُنّت والجماعت کے اجماعی عقیدے سے مودودی صاحب کا انحراف۔

سبیل المومنین کا خلاف ہر راستہ جہنمی ہے

ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولیٰ ونصله جهنم وساءت مصیرا

(سورة النساء)

ترجمہ: "جو شخص اس رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ ہدایت کی راہ اس کے سامنے کھل گئی تھی اور وہ چلا سبیل مومنین کے خلاف تو ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھرا اور اسے جہنم میں پہنچائیں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ ایک مقام پر اجماع کی قوت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فدل اجماعهم علىٰ نسخ ما قد تقدمه من قول رسول الله صلى الله عليه وسلم لان الله عزوجل لم يكن ليجمعهم علىٰ ضلال

(طحاوی شریف جلد ا ص 142)

ترجمہ: "پس ان کا اجماع اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اس سے پہلے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گزری ہے وہ منسوخ ہو گئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں (امت کو) گمراہی پر جمع نہیں ہونے دیتے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امت کے خیر اور حق پر ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ محدثین نے ان کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر متوفیٰ 774ھ لکھتے ہیں: "مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں سبیل المومنین سے مراد "اجماع" ہے۔

قال رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أُمَّتِي لَا تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ»

(ابن ماجة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہو گی، جب تم اختلاف دیکھو، تو تم پر واجب ہے کہ سب سے بڑی جماعت کا ساتھ دو۔

مولانا عبد الحلیم لکھنوی نور الانوار کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

"وفائدة الاجماع بعد وجود السند مسقط البحث وصيرورة الحكم قطعيا"

(نور الانوار ص 222)

ترجمہ: "جب کوئی بات سنند سے پائی گئی اور اس پر اجماع ہو گیا تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ آئندہ اس پر بحث نہ ہو سکے گی اور وہ حکم (جو اجماع سے پہلے قطعی نہ تھا) اب قطعی ہو جائے گا۔"

نیز اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جماعت پر اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ہاتھ ہے۔

(نسائی، کتاب تحریم الدم، ص ۶۵۶، الحدیث: ۴۰۲۷)

ایک اور حدیث میں ہے کہ سوادِ اَعْظَم یعنی بڑی جماعت کی پیروی کرو جو اس گروہ سے جدا ہوا وہ جہنم میں گرا۔

(مستدرک، کتاب العلم، من شذّ شذّ فی النار، ۱ / ۳۱۷، الحدیث: ۴۰۳)

اس سے واضح ہے کہ حق مذہب اہلِ سنت والجماعت (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) ہے کیونکہ یہی مسلمانوں کی اکثریت کا ہے اور یہی بڑی جماعت ہے۔

اہل سنت والجماعت اپنا فقہ: اجماع، کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے اخذ کرتے ہیں، وہ اقوال صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کو (اس باب میں) معتبر سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں کے اکابر علماء کی اتباع کرتے ہیں، جیسے: ابو حنیفہ، مالک، شافعی اور احمد بن حنبل۔ اور ان کے بعد کے علماء، فقہاء اور ائمہ متبوعین و متبعینِ سنت کی بھی اتباع کرتے ہیں، جو امت میں خیر سے مشہور ہیں۔

*****

اب مودودی صاحب کے دلائل کی سماعت

رسولِ خُدا کے سوا کسی کی مستقل بالذات پیشوائی ور ہنمائی تسلیم نہ کرے دوسرے انسانوں کی پیروی کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے تحت، نہ کہ ان سے آزاد۔

(دستور جماعت اسلامی، ص ۶)

محمد ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے والے کسی دوسرے انسان کا یہ منصب تسلیم نہ کرے کہ اس کو ماننے یا نہ ماننے پر آدمی کے کفر و ایمان کا فیصلہ ہو۔

(دستور جماعت اسلامی، ص ٦)

مودودی صاحب کے علاوہ باقی سب طریقے باطل ہیں.

مودودی صاحب لکھتے ہیں "حنفی، سنی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث، شیعہ وغیرہ سب جہالت کی پیداوار ہیں"

(خطبات مودودی، ص ١٢٨)

"ہمارا ایمان ہے کہ اس ایک دعوت اور طریقہ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہ کار سراسر باطل ہیں "

(ترجمان القرآن، ج ٢٦، عدد ٣، ص ١١١)

(تفہیمات، حصہ دوم، ص ٢٨١)

"امام ابو حنیفہ کی فقہ میں آپ بہ کثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مرسل اور معصل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں یا جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے۔ یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابو حنیفہ اور انکے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالک کا ہے، امام شافعی کا اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں"۔

(تفہیمات، ج ١، ص ٣٦٠)

"تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا ہے قریب تھا کہ عمر بن عبدلعزیزؒ اس منصب پر فائز ہو جاتے، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بعد جتنے مجدد پیدا ہوئے ان میں ہر ایک نے کسی خاص شعبے یا چند شعبوں ہی میں کام کیا۔ چناچہ مجدد کامل کا مقام ابھی تک خالی ہے"۔

(تجدید و احیائے دین، ص ۴۹)

اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت (جماعت اسلامی) کے سوا مشرق سے لیکر مغرب تک کے مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں خواہ انپڑھ ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت اور اسکی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں"۔

(تفہیمات، ج ۱، ص ۴۵)

"میرا طریقہ یہ ہے کہ میں بزرگان سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں، جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں، اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے عتبار سے درست نہیں پاتا۔ اس کو صاف صاف نادرست کہتا ہوں"۔

(رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۳۲۱)

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے"۔

(رسائل و مسائل، ج ۱، ص ۱۵۵، طبع دوم)

"میں پچھلے زمانے کے آئمہ، حدیث و فقہ و تفسیر ہی سے استفادہ کرتا ہوں اور انکا پورا ادب ملحوظ رکھتا ہوں۔ مگر کسی کی بات بھی صرف اس بنا پر نہیں مان لیتا کہ یہ فلاں بڑے شخص نے کہی ہے۔ بلکہ خود بھی

اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہوں اور اپنے دماغ سے سوچتا ہوں اور جو بات تحقیق سے مجھے صحیح معلوم ہوتی ہے اسے مانتا ہوں اور جو غلط معلوم ہوتی ہے اسے چھوڑ دیتا ہوں۔"

(مکاتب زندان ۸۹، بحوالہ جسارت ص ۸۸، کراچی)

"لوگ یہ سمجھتے رہے ہیں اور ایک مدت سے یہ غلط فہمی رہی ہے کہ ان چیزوں میں کا نام اسلام ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے- اس سے مسلمانوں کا طریقہ اور طرز عمل پوری طرح سے بگڑتا گیا ہے"

(کوثر 9 فروری 1951ء بیان مودودی بحوالہ "تنقید المسائل" ص 167)

ہماری قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے اور اس کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ بکثرت اشخاص تعلیم یافتہ، صاحب قلم، صاحب مالِ وزر، صاحبِ اثر اشخاص ایسے ہیں جو دل سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے، مگر نفاق اور قطعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانون کی جماعت میں شریک ہیں، یہ اسلام سے عقیدۃ اور عملاً، نلک چکے ہیں۔

(سیاسی کشمکش، جلد ا، ص ۳۴۳)

پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلمان اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے، تو اس طرح حکومت الٰہیہ قائم ہو جائے گی اُن کا گمان غلط ہے، دراصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی۔ اس کا نام حکومت الٰہیہ رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔

(سیاسی کشمکش، ج ۳، ص ۱۳۰-۱۳۲)

۹۹۹ فی ہزار مسلمان حق اور باطل کی تمیز سے نا آشنا ہیں ان کے اجتماع سے اسلامی کام کی توقع رکھنا بنیادی غلطی ہے۔

ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کر لینا اور یہ اُمید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہو گا اسلامی اصول ہی پر ہو گا۔ پہلی اور بنیادی غلطی ہے۔ یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اُس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں نہ حق و باطل کی تمیز سے آشنا ہیں، نہ ان کا اخلاقی نقطۂ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے، ان کی کثرتِ رائے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص یہ اُمید رکھتا ہے کہ گاڑی اسلام کے راستے پر چلے گی تو اس کی خوش فہمی قابلِ داد ہے۔

(سیاسی کشمکش، ج ۳، ص ۱۳۱)

مسلمانوں پر کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ کی لعنت ہے

مسلمانوں میں جو لوگ اس انقلاب کے دامن سے وابسطہ ہیں اُن کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ ان کی صورتیں، اُن کا لباس، اُن کی چال ڈھال، ان کے آداب و اطوار، ان کے خیالات سب کچھ ہمارے سامنے اس مسلمان کا نمونہ پیش کر رہے ہیں جو اس آنے والے انقلاب میں پیدا ہو گا۔ ہم ابھی سے دیکھ رہے ہیں کہ مسٹروں کے بجائے شری مسوں کے بجائے شریمتیاں ہمارے ہاں پیدا ہونے لگی ہیں گڈمانننگ کی جگہ ہاتھ جوڑ کر نمستے کیا جانے لگا ہے۔ ہیٹ کی جگہ گاندی کیپ لے رہی ہے اور بعض علماء، دین فتویٰ دے رہے ہیں کہ یہ تشبہ کہ تعریف سے خارج ہے اور کُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ (ہو جاؤ ذلیل بندر) کی لعنت جو ان پر ستر (۷۰) سال پہلے نازل ہوئی تھی اب ایک دُوسری شکل اختیار کر رہی ہے۔

(سیاسی کشمکش، ج ۱، ص ۳۳۹، ۳۳۸)

مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ ان کا سوادِ اعظم اپنی قومی تہذیب اور اس کی امتیازی خصوصیات سے ناواقف ہے حتیٰ کہ ان میں حدود کا شعور تک باقی نہیں رہا ہے جو اسلام کو غیر اسلام سے ممیّز کرتی ہے۔

(سیاسی کشمکش، ج ا، ص ۳۴۰)

مگر وہ اخلاقی اوصاف باقی نہیں جن کی بدولت یہ قومی مفاد کی حفاظت کے لئے اجتماعی کوشش کر سکیں۔ ان میں اتنی تمیز نہین کہ صحیح رہنما کا انتخاب کر سکیں، ان میں اطاعت کا مادہ نہیں کہ کسی کو رہنما تسلیم کرنے کے بعد اس کی بات کو مانیں اور اس کی ہدایت پر چلیں، ان میں اتنا ایثار نہیں کہ کسی بڑے مقصد کے لئے اپنے ذاتی مفاد، اپنی ذاتی رائے، اپنی آسائش، اپنے مال اور اپنی جان کی قربانی کسی حد تک بھی گوارا کر سکیں۔

(سیاسی کشمکش، ج ا، ص ۳۴۲)

مسلمانوں کی حالت کتّوں کی طرح ہو گئی ہے۔

ان کا حال یہ ہو گیا ہے کہ کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام نمود کے چند کھلونے پھینکے، یہ کتّوں کی طرح لپکتے ہین، اور ان کے معاوضے میں اپنے دین وایمان، اپنے ضمیر، اپنی غیرت وشرافت، اپنی قوم وملت کے خلاف کوئی خدمت بجالانے میں ان کو پاک نہیں ہوتا۔

(سیاسی کشمکش، ج ا، ص ۳۴۲)

مسلمان قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے۔

ہماری قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے اور اس کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، بکثرت اشخاص تعلیم یافتہ، صاحب قلم، صاحب زبان، صاحبِ مال وزر، صاحبِ اثر اشخاص ایسے ہیں جو دل سے

اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین نہین رکھتے، مگر نفاق اور قطعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہیں۔ یہ اسلام سے عقیدۃً اور عملاً نکل چکے ہیں۔

(سیاسی کشمکش، ج ا، ص ۳۴۳)

مُسلمانوں میں ۳ گروہ ہیں اور تینوں گمراہ ہیں

مسلمانوں میں زیادہ تر تین گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک گروہ آزادی وطن کے لئے بے چین ہے اور کانگریس کی طرف کھنچ رہا ہے یا کھنچ گیا ہے۔ دوسرا گروہ اپنی تہذیب اور اپنے قومی حقوق کی حفاظت کے لئے انگریز کی گود میں جانا چاہتا ہے اور آئندہ انقلاب کے خطرات سے بچنے کی یہی صورت مناسب سمجھتا ہے کہ سرکار برطانیہ کا معاون بن کر آزادی کی تحریک کو روکے۔ تیسرا گروہ عالم حیرت میں کھڑا ہے اور خاموشی کے ساتھ واقعات کی رفتار کو دیکھ رہا ہے۔

(سیاسی کشمکش، ج ا، ص ۳۵۰)

اس سے زیادہ خوفناک حقیقت یہ ہے کہ نام کے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ لوگ کفار کی بہ نسبت بہت زیادہ جسارت اور بے باکی کے ساتھ ایسی ہر کوشش کو کچل دیں گے اور ان کے نام اُن کے ظلم کی پردہ پوشی کے لئے کافی ہونگے جب صورت معاملہ یہ ہے تو کیا وہ شخص نادان نہیں ہے جو اسلامی انقلاب کا نصب العین سامنے رکھ کر ایسی جمہوریت حکومت کے قیام کی کوشش کرے جو ہر کافرانہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر اس کے مقصد کی راہ میں حائل ہوگی۔

(سیاسی کشمکش، ج ۳، ص ۱۳۳)

احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں۔ جن سے اگر کوئی چیز حد سے ثابت ہو سکتی ہے تو وہ گمانِ صحت ہے نہ علمِ یقین۔

(ترجمان القرآن ، ربیع الاول 1365ھ)

یہ بھی مسلم ہے کہ نقدِ احادیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے وہ صدر اول کے اَخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کار آمد ہے۔ کلام اس میں نہیں۔ بلکہ اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جاسکتے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔

(تفہیمات ص ۳۱۸)

تیسری اہم چیز سلسلۂ اسناد ہے محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا اس کا ہمعصر تھا یا نہیں؟ ہم عصر تھا تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا تو آیا یہ خاص حدیث خود اس سے سنی یا کسی اور سے سن لی اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق کہ یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئے ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو متصل السند قرار دیتے رہے ہیں وہ در حقیقت منقطع ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روایتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بناء پر یہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح وتعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنتِ نبوی ﷺ اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اس پر اعتماد کر لیا جائے۔

(تفہیمات، ص ۳۲۲،۳۲۱)

کیا ضروری ہے کہ جس کو انہوں (محدثین) نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو۔ اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو۔ اور اس کی تمام روایتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔

(تفہیمات ص ۳۲۲،۳۲۱)

آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس کو وہ (محدثین) صحیح قرار دیتے ہیں وہ در حقیقت صحیح ہے صحت کا کامل یقین ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید بر آں یہ کہ ظنِ غالب جس بناء پر ان کو حاصل تھا وہ بلحاظ روایت نہ کہ بلحاظ درایت، ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا، فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا۔ اس لئے فقیہانہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہاء مجتہدین کی نسبت کمزور تھے۔ پس ان کے کمالات کا جائز اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہیں اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اَسناد دوسری بلحاظ تفقہ۔

(تفہیمات ص ۳۱۹)

محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا۔ اس لئے ان پر اَخباری نقطۂ نظر غالب ہو گیا تھا اور وہ روایت کو معتبر غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے۔ کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں؟ رہا فقیہانہ نقطۂ نظر تو وہ ان کے موضوعِ خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا۔ اس لئے اکثر وہ ان نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔

حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں۔ حالانکہ معنیً وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ امور شریعت میں نظر رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطۂ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطۂ نظر سے ٹکرا گیا ہے۔ اور محدثین صحیح احادیث سے استنباطِ احکام و مسائل میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ جو فقیہان مجتہدین نے رکھا ہے۔

(تفہیمات ص ۳۲۹)

یہ بات قابلِ انکار ہے۔ کہ جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔ اس لئے صحت کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہیے۔

(تفہیمات ص ۳۲۹)

احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پا سکتیں۔

(ترجمان القرآن فروری 1946ء)

ان (محدثین) کی نگاہ میں احادیث معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک اسی معیار کی ہم پابندی کر دیں۔ مثلاً مشہور (حدیث) کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر، اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے تجاوز نہ کریں۔ یہی وہ مسلک ہے جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت..... کی طرف دھکیل دیا ہے۔

(تفہیمات ص ۱۱۸)

آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے۔ ہم سند کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں سمجھتے۔ ہمارے نزدیک اسناد کی صحت حدیث کی صحت معلوم کرنے کا ایک ہی ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث رسول ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم متن پر غور کرنا، قرآن وحدیث کے مجموعی علم سے دین کا جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے، اس کا لحاظ کرنا، اور حدیث کی وہ مخصوص روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت ثابتہ ہمیں معلوم ہوا اس پر نظر ڈالنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

(رسائل ومسائل، ج ۱، ص ۲۹۰)

ایک طرف ترکی قوم میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتداء ہو رہی تھی۔ دوسری طرف ترکوں کے علماء اور مشائخ تھے جو اب بھی ساتویں صدی کی فضاء سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کے جمود، ان کی تاریک خیالی' ان کی رجعت پسندیُ اور زمانہ کے ساتھ حرکت کرنے سے ان کے قطعی انکار کا اب بھی وہی حال تھا جو سلطان سلیم کے زمانہ میں تھا۔ وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، حالاں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے الحاد کا دروازہ کھل رہا تھا۔ وہ ابھی تک فلسفہ وکلام کی وہی کتابیں پڑھنے پڑھانے میں مشغول تھے جن کو پھینک کر زمانہ پانچ سو برس آگے نکل چکا تھا۔ وہ اب بھی اپنے وعظوں میں قرآنب کی وہی تفسیریں اور وہی ضعیف حدیثیں سنا رہے تھے جن کو سن کر سو برس پہلے تک کے لوگ تو سر دھنتے تھے مگر آج کل کے دماغ ان کو سن کر صرف ان مفسرین ومحدثین ہی سے نہیں بلکہ خود قرآن وحدیث سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں۔ وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں گے جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں خواہ اس اصرار کا نتیجہ

یہی کیوں نہ ہو کہ ترک ان قوانین کے اتباع سے بھی آزاد ہو جائیں جو قرآن اور سنت رسول میں مقرر کئے گئے ہیں۔

ترکی تاریخ کے ان تحولات سے جو لوگ واقف نہیں ہیں وہ عجیب عجیب غلطیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ پرانے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر اور فسق کے فتوے لگا رہے ہیں۔ مگر ان کو خبر نہیں کہ نوجوان ترکوں سے زیادہ گہنگار تو ٹرکی کے علماء و مشائخ ہیں۔ انہی کے جمود نے ایک مجاہد قوم کو جو پانچ سو برس سے اسلام کے لیے تن تنہا سینہ سپر تھی اسلامیت سے فرنگیت کی طرف دھکیلا ہے اور اندیشہ ہے کہ ایسے ہی جامدین دوسری مسلمان قوموں کو بھی ایک روز اسی جانب دھکیل کر رہیں گے۔

(تنقیحات، ص ۸۵، ۸۲)

اسلام میں ایک نشاۃ جدیدہ کی ضرورت ہے پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں کر سکتا ۔دنیا اب بہت آگے بڑھ چکی ہے اس کو اب الٹے پاؤں ان منازل کی طرف واپس لے جانا ممکن نہیں ہے جس سے وہ چھ سو برس پہلے گزر چکی ہے۔

(تنقیحات، ص ۱۴)

چند ایسے فُضَلاء کی خدمات حاصل کی جائیں جو مذکورہ بالا علوم پر جدید کتابیں تالیف کریں: خصوصیت کے ساتھ اصولِ فقہ، احکامِ فقہ، اسلامی معاشیات، اسلام کے اصولِ عمران اور حکمتِ قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا بہت ضروری ہے کیوں کہ قدیم کتابیں اب درس و تدریس کے لیے کار آمد نہیں ہیں۔ اربابِ اجتہاد کے لیے تو بلاشبہ ان میں بہت اچھا مواد مل سکتا ہے مگر ان کو جوں کا توں لے کر موجودہ زمانے کے طلبہ کو پڑھانا بالکل بے سود ہے۔

یہ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں جن کی بناء پر اسناد اور جرح و تعدیل کے علم کو کلیۃً صحیح نہیں سمجھا جاسکتا یہ مواد اس حد تک قابلِ اعتماد ضرور ہے کہ سُنّت بنویؐ اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد کی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں کہ اسی پر کلی اعتماد کر لیا جائے

(تفہیمات، ج ۱، ص ۲۹۴)

سیاسی لیڈر رہوں یا علماء دین و مفتیان شرع متین دونوں قسم کے رہنما اپنے نظریہ اور اپنی پالسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں دونوں راہِ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

(سیاسی کشمکش، ج ۲، ص ۷۷)

نماز قصر کے لئے مسافت کا شریعت میں کوئی تعین نہیں

فقہا کے آراء اس معاملے میں مختلف ہین چناچہ قصر صلواۃ کے لئے کم از کم ۹ میل اور زیادہ سے زیادہ اڑتالیس میل کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے اس معاملہ میں کوئی صریح ارشاد منقول نہیں ہے۔ نص صریح کی غیر موجودگی میں جن دلائل سے استنباط کیا ہے اس کے اندر مختلف اقوال کی گنجائش ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قصر کے لئے مسافت کا ایسا تعین جس میں ایک نقطہ خاص سے تجاوز کرتے ہی قصر کا حکم لگایا جاسکے شارع کا منشا نہیں ہے، شارع علیہ السلام نے سفر کے مفہوم کو عرف عام پر چھوڑ دیا ہے۔

(رسائل مسائل، ج ۱، ص ۲۱۴)

مودودی صاحب کے سینما دیکھنا جائز ہے۔

اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ یہ خیال ظاہر کر چکا ہوں کہ سینما بجائے خود جائز ہے، البتہ اس کا ناجائز استعمال اسکو ناجائز کر دیتا ہے۔ سینما کے پردے پر جو تصویر نظر آتی ہے، وہ دراصل "تصویر" نہیں بلکہ پرچھائیں

ہے، جس طرح آئینے میں نظر آیا کرتی ہے، اس لیے وہ حرام نہیں رہا۔ وہ عکس جو فلم کے اندر ہوتا ہے، تو وہ جب تک کاغذ یا کسی دوسری چیز پر چھاپ نہ لیا جائے، نہ اس پر تصویر کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ وہ ان کاموں میں سے کسی کام کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے جن سے باز رہنے ہی کی خاطر شریعت میں تصویر کو حرام کیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے میرے نزدیک سینما بجائے خود مباح ہے۔

(ترجمان القرآن۔ ذی القعد 1371ھ مطابق اگست 1952ء)

(رسائل مسائل، ج ۲، ص ۲۹۱)

بغیر وضو کے سجدہ تلاوت

تمام علمائے امت جمہور کے نزدیک سجدہ تلاوت کے لئے نماز کی شرطیں ہیں۔ یعنی وضو بھی شرط ہے۔ ابن عمرؓ کا فتویٰ فتح الباری وغیرہ میں موجود ہے: ''لا یسجد الرجل الا وھو طاھر'' (فتح الباری، ج ۲، ص ۴۵۷) ترجمہ: کوئی آدمی بلا وضو سجدہ نہ کرے۔ آج تک بلا وضو کے سجدہ کرنے کا کوئی قائل نہیں ہوا ہے۔ مگر مودودی صاحب لکھتے ہیں "سجدہ کے لئے جمہور انہیں شرائط کے قائل ہیں جو نماز کی شاطیں ہیں، یعنی باوضو ہونا، قبلہ رخ ہونا اور نماز کی طرح سجدہ میں زمین پر سر رکھنا لیکن جتنی بھی احادیث سجدہ تلاوت کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ سنکر جو شخص جس حال میں بھی ہو جھک جائے خواہ باوضو ہو یا نہ، خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو"۔

(تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۱۶، سورۃ اعراف)

سحری کا وقت ختم ہو جانے کے بعد بھی سحری کھانا جائز ہے

مودودی صاحب لکھتے ہیں:- اس بارے میں بھی لوگ ابتداءً غلط فہمی میں تھے۔ کسی کا خیال تھا کہ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد سے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور کوئی یہ سمجھتا تھا کہ رات کو جب تک آدمی جاگ رہا ہو، کھاپی سکتا ہے۔ جہاں سو گیا، پھر دوبارہ اُٹھ کر وہ کچھ نہیں کھا سکتا۔ یہ احکام لوگوں نے خود اپنے ذہن میں سمجھ رکھے تھے اور اس کی وجہ سے بسا اوقات بڑی تکلیفیں اُٹھاتے تھے۔ اِس آیت میں انہی غلط فہمیوں کو رفع کیا گیا ہے۔ اس میں روزے کی حد طلوع فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک مقرر کر دی گئی اور غروبِ آفتاب سے طلوع فجر تک رات بھر کھانے پینے اور مباشرت کرنے کے لیے آزادی دے دی گئی۔ اس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سحری کا قاعدہ مقرر فرمادیا تاکہ طلُوعِ فجر سے عین پہلے آدمی اچھی طرح کھاپی لے۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، آیت ۱۸۷، سورۃ البقرۃ)

رات تک روزہ پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جہاں رات کی سرحد شروع ہوتی ہے، وہیں تمہارے روزے کی سرحد ختم ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ رات کی سرحد غروبِ آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔ لہٰذا غروبِ آفتاب ہی کے ساتھ افطار کر لینا چاہیے۔ سحر اور افطار کی صحیح علامت یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصّے میں اُفق کے مشرقی کنارے پر سفیدۂ صبح کی باریک سی دھاری نمودار ہو کر اُوپر بڑھنے لگے، تو سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور جب دن کے آخری حصّے میں مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بلند ہوتی نظر آئے تو افطار کا وقت آجاتا ہے۔ آج کل لوگ سحری اور افطار، دونوں کے معاملے شدّتِ احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدّد برتنے لگے ہیں۔ مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ اِدھر اُدھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہی شب سے سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجائش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اس کی آنکھ کھُلی ہو تو وہ جلدی سے اُٹھ کر کچھ کھاپی لے۔ حدیث

میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص سحری کھا رہا ہو اور اذان کی آواز آجائے تو فوراً چھوڑ نہ دے، بلکہ اپنی حاجت بھر کھا پی لے۔ اسی طرح افطار کے وقت میں بھی غروبِ آفتاب کے بعد خواہ مخواہ دن کی روشنی ختم ہونے کا انتظار کرتے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سُورج ڈوبتے ہی بلالؓ کو آواز دیتے تھے کہ لاؤ ہمارا شربت۔ بلالؓ عرض کرتے کہ یا رسُول اللہ! ابھی تو دن چمک رہا ہے۔ آپؐ فرماتے کہ جب رات کی سیاہی مشرق سے اُٹھنے لگے، تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

(تفہیم القرآن، ج ۱، آیت ۱۸۷، سورۃ البقرۃ)

جرم نمبر ۶

ڈاڑھی کے متعلق مودودی صاحب کا اجماعِ اُمّت سے انحراف۔

پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے"

احفوا الشوارب واعفوا اللحیٰ" ترجمہ: مونچھوں کو کٹواؤ اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ۔

(مسلم، ج ۱، ص ۱۲۹)

اہل السنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ کم از کم ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔ اس کو جو سنت کہا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کا حکم سنت سے ثابت ہے یا یہ مطلب ہے کہ داڑھی رکھنا شرعی طریقہ ہے کیونکہ سنت کا ایک معنیٰ طریقہ بھی آتا ہے۔ لہٰذا داڑھی کو سنت لکھنے اور کہنے سے یہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ یہ "واجب" نہیں ہے۔ ائمہ اربعہ اور تمام علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے کہ کم از کم ایک مشت داڑھی رکھنا "واجب" ہے اور ایک مشت سے کم داڑھی ناجائز اور حرام ہے اس سلسلے میں چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالفوا المشرکین اوفروا اللحیٰ واحفوا الشوارب۔

(بخاری: ج 2 ص 875)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ مونچھیں کٹاؤ۔

امام ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں: فی حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عند مسلم خالفوا المجوس وھو المراد فی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما فانھم کانوا یقصون لحاھم ومنھم من کان یحلقھا۔

(فتح الباری، ج 10، ص 429)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے اس میں خالفوا المشرکین کی بجائے خالفوا المجوس کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی یہی مراد ہے کیونکہ مجوسیوں کی عادت تھی کہ وہ اپنی داڑھیاں کاٹتے تھے اور ان میں سے بعض لوگ اپنی داڑھیوں کو مونڈتے تھے۔

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية۔

(صحیح مسلم: ج1 ص129)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں ان میں مونچھوں کو کٹانا اور داڑھی کو بڑھانا۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: **معناه انها من سنن الانبياء** اس کا معنی یہ ہے کہ دس چیزیں انبیاء کے سنتوں میں سے ہیں۔

نیز امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فحصل خمس روايات، اعفوا، واوفوا، وارخوا، وارجو، ووفروا۔** (شرح صحیح مسلم: ج1 ص129)

خلاصہ یہ ہے کہ روایات میں داڑھی بڑھانے کے متعلق پانچ قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں اور پانچوں قریب المعنی ہیں یعنی داڑھی بڑھاؤ اور یہ پانچوں امر کے صیغے ہیں اور تمام علماء حقہ کے نزدیک یہ امر وجوب کے لئے اگر داڑھی رکھنا محض عادتاً تھا اور دین کا حکم نہیں تھا تو امت کو اتنی تاکید کے ساتھ حکم دینے کا کیا مطلب؟؟

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یاخذ من لحیته من عرضها وطولها۔ (جامع ترمذی: ج2 ص105)

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم لمبائی اور چوڑائی سے اپنی داڑھی کے کچھ بال لے لیتے تھے۔ نیز اس میں حج و عمرے کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعث بکتابه مع رجل الیٰ کسریٰ ......ودخلا علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وقد حلقا لحاهما و اعفیا شواربهما فکره النظر الیهما وقال ویلکما من امرکما بهذا؟ قالا امرنا ربنا یعنیان کسریٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولکن ربی امرنی باعفاء لحیتی وقص شاربی (البدایۃ والنہایۃ: ج2 ص662، حیاۃ الصحابۃ: ج1 ص115)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قاصد کو شاہ ایران کی طرف پیغام دے کر بھیجا..............شاہ ایران کے دو قاصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف نظر کرنا بھی پسند نہ کیا اور فرمایا تمہاری ہلاکت ہو تمہیں یہ شکل بگاڑنے کا کس نے حکم دیا ہے؟ وہ بولے یہ ہمارے رب یعنی شاہ ایران کا حکم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم فرمایا ہے۔

عن نافع کان ابن عمر رضی اللہ عنهما اذا حج او اعتمر قبض علی لحیته فما فضل اخذه۔

(صحیح بخاری: ج2 ص875)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کر لیتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی سے پکڑتے اور زائد بالوں کو کاٹ دیتے۔

پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے داڑھی بڑھانے کا حکم نقل فرمایا پھر اس کی مقدار خود اپنے عمل سے بتائی ہے۔ ممکن ہے کہ اس حدیث کو پڑھ کر کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل عام نہیں بلکہ حج اور عمرہ کے ساتھ خاص ہے۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الذی یظهر ان ابن عمر کان لایخص ہذا التخصیص بالنسک بل کان یحمل الامر بالاعفاء علی غیر الحالة التی تتشوه فیها الصورة بافراط طول شعر اللحیة اوعرضه۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج 10 ص 430)

ترجمہ: ظاہر بات ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اس عمل کو حج اور عمرہ کے ساتھ خاص نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ داڑھی بڑھانے کے حکم کو اس حالت پر محمول کرتے تھے جس میں داڑھی لمبائی چوڑائی میں اس قدر بڑھی ہوئی نہ ہو کہ بدصورت اور بدنما لگنے لگے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه کان یقبض علیٰ لحیته ثم یقص ماتحت القبضة۔

(کتاب الآثار لامام محمد: ص 203)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی داڑھی کے بالوں کو مٹھی میں لیتے اور زائد بال کاٹ دیتے تھے۔

عن ابراہیم قال کانوا یطیبون لحاہم ویاخذون من عوارضها۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج6 ص109)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی داڑھیوں کو خوشبو لگاتے اور ان کی چوڑائی سے بال کاٹ لیتے تھے۔

اقوال فقہاء اور داڑھی کا وجوب و مقدار

فقہاء احناف

واما الاخذ منها وہی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد۔

(فتح القدیر شرح ہدایہ: ج2 ص270)

ترجمہ: داڑھی کے بال کاٹ کر اس کو ایک مشت سے کم کرنا جیسا بعض مغربی اور مخنث لوگ ایسا کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا۔

يحرم على الرجل قطع لحيته وفيه السنة فيها القبضة (در مختار: ج4 ص223)

ترجمہ: مرد کے لئے داڑھی کا کاٹنا حرام ہے اس کی مسنون مقدار ایک مشت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں: حلق کردن لحیہ حرام است وگذاشتن آں بقدر قبضه واجب است۔ (اشعۃ اللمعات: ج1 ص228)

ترجمہ: داڑھی منڈانا حرام ہے اور ایک مشت کی مقدار اس کو بڑھانا واجب ہے۔

خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اما قطع ما دون ذالک فحرام اجماعا بین الائمہ ۔ (فیض الباری: ج4 ص380)

داڑھی ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے اور اس پر ائمہ کا اجماع ہے۔

فقہ شافعی:

محدث عبد الروف مناوی شافعی لکھتے ہیں : اعفاء اللحیہ و ترکھا متی تکثر بحیث تکون مظھرا من مظاہر الوقار فلا تقصر تقصیرا یکون قریبا من الحلق ولا تترک حتیٰ تفحش بل یحسن التوسط فانہ فی کل شیئ حسن ۔ (فقہ السنۃ ج1 ص38)

ترجمہ: داڑھی کو بڑھانا اور اس کو چھوڑنا یہاں تک کہ داڑھی زیادہ ہو جائے لیکن ایسے طور پر کہ پروقار نظر آئے اور اتنی مقدار تک نہ کاٹے کہ مونڈی ہوئی دکھائی دینے لگے۔ اور اس قدر لمبی بھی نہ ہونے دے کہ بدنما لگنے لگے بلکہ درمیانی [مشت بھر] داڑھی رکھے کیونکہ ہر چیز میں اعتدال بہتر ہے۔

فقہ مالکی:

فقہ مالکی کے نامور محدث اور فقیہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یکرہ حلقھا وقصھا وتحریقھا واما الاخذ من طولھا وعرضھا فحسن وتکرہ الشھرۃ فی تعظیمھا کما تکرہ فی قصھا وجزہا۔ (شرح مسلم للنووی: ج1 ص129)

ترجمہ: داڑھی کو مونڈنا اور زیادہ کانٹ چھانٹ کرنا مکروہ ہے البتہ اس کے طول و عرض سے کچھ بال کاٹ لینا بہتر ہے اور جیسا کہ داڑھی زیادہ کاٹنا چھانٹنا مکروہ ہے ایسے ہی لمبی داڑھی میں شہرت بھی مکروہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک مشت سے کم اور زیادہ خلاف سنت اور ایک مشت سنت کے مطابق ہے۔

فقہ حنبلی :

الشیخ منصور بن یوسف حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **ویعفی لحیتہ ویحرم حلقھا۔**

(الروض المربع: ج1 ص19، مختصر المقنع: ص96)

ترجمہ: داڑھی کو مسنون مقدار تک بڑھانا ضروری اور اس کا منڈانا حرام ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت بات واضح ہو گئی کہ مسنون مقدار داڑھی رکھنا واجب اور منڈوانا حرام ہے۔

****

اب مودودی صاحب کے دلائل

"آپ کا خیال ہے نبیؐ جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت یا اسوہ رسول ہے۔۔ مگر میرے صرف یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کی اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے"۔

(رسائل ومسائل، حصہ اول، ص ۲۴۷)

"ڈاڑھی کے متعلق نبیؐ نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے، صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے"

(رسائل ومسائل، ج ۱، ص ۱۴۷)

"میرے نزدیک کسی کی ڈاڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے کوئی خاص فرق واقع نہیں ہوتا"

(رسائل ومسائل، ج ۱، ص ۱۵۳)

یہ تو انہی علماء سے پوچھنا چاہیے کہ ان کے پاس مقدار کے تعین کے لیے کیا دلیل ہے؟ اور خصوصاً "فسق" کی وہ آخر کیا تعریف کرتے ہیں جس کی بنا پر ان کی تعین کردہ مقدار سے کم ڈاڑھی رکھنے والے پر فاسق کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ مجھے سخت افسوس ہے کہ بڑے بڑے علماء خود حدود شرعیہ کو نہیں سمجھتے اور ایسے فتوے دیتے ہیں جو صریحاً حدود شرعیہ سے متجاوز ہیں۔

اسماء الرجال اور سیرت کی کتابوں میں تلاش کرنے سے مجھے بجز دو تین صحابیوں کے کسی کی ڈاڑھی کی مقدار نہیں معلوم ہو سکی ہے۔ صحابہ کے حالات پر صفحے کے صفحے لکھے گئے ہیں مگر ان کے متعلق یہ نہیں لکھا گیا کہ ان کی ڈاڑھی کتنی تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سلف میں یہ مقدار کا مسئلہ کتنا غیر اہم اور نا قبل توجہ تھا۔ حالانکہ متاخرین میں جس شدت سے اس پر زور دیا جاتا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید مومن کی سیرت و کردار میں پہلی چیز جس کی جستجو ہونی چاہیے وہ یہی ہے کہ اس ڈاڑھی کا طول کتنا ہے۔

(رسائل و مسائل، جلد اول، صفحہ نمبر ۱۰۴)

آپ کا قلب جس چیز پر گواہی دے آپ کو خود اس پر عمل کرنا چاہیے میرے نزدیک کسی کی ڈاڑھی کے چھوٹے یا بڑے ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ اصل چیز جو آدمی کے ایمان کی کمی اور بیشی پر دلالت کرتی ہے وہ تو اور ہی ہے۔ البتہ مجھے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان کی کمی کو بعض ظاہری چیزوں کی بیشی سے پورا کرنے کی اب تک کوششیں کی جاتی رہی ہیں، کہیں جماعت اسلامی کے بھی کچھ لوگ اسی مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اگر کسی کی حقیقی جاں نثاری و وفاداری اللہ کی راہ میں "طویل" ہو تو کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے گا اگر اس کی ڈاڑھی "قصیر" ہو لیکن اگر جاں نثاری و وفاداری "قصیر" ہے تو

یقین رکھیے کہ ڈاڑھی کا طول کچھ بھی فائدہ نہ دے گا، بلکہ بعید نہیں کہ خدا کے ہاں اس پر فریب کاری اور مکاری کا مقدمہ چل جائے۔

(رسائل و مسائل، جلد اول، صفحہ نمبر ۱۰۴-۱۰۵)

آپ اس کی فکر نہ کیجیے کہ ہماری جماعت کے ارکان کے متعلق لوگ کیا رائے قائم کریں گے اور ان کے ظاہر سے کیا اثر لیں گے۔ آپ کو اور ہمارے تمام رفقاء کو اپنے باطن کی فکر اپنے ظاہر سے بڑھ کر ہونی چاہیے اور اسی طرح اپنے ان اعمال کی زیادہ فکر کرنی چاہیے جن پر خدا کی میزان میں آدمی کے ہلکے یا بھاری ہونے کا مدار ہے، کیونکہ اگر ایسے اعمال ہلکے رہ گئے تو بال برابر وزن رکھنے والی چیزوں کی کمی و بیشی سے میزان الٰہی میں کوئی خاص فرق واقع ہونے کی توقع نہیں ہے۔

(ترجمان القرآن۔ ربیع الاول، جمادی الثانیہ ۶۴ھ۔ مارچ، جون ۴۵ء)

(رسائل مسائل، ج۱، ص۱۸۵)

میں اسوہ اور سنت وبدعت وغیرہ اصلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بلعموم آپ حضرت کے یہاں رائج ہے- آپکا خیال ہے کہ نبی صل الٗلہ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے اتنی ہی ڈاڑھی رکھنا سنت یا اسوہ رسول ہے بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر انکی اتباء پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے۔

(رسائل و مسائل حصہ اول ص248،247‘ انکشافات ص74)

لوگ یہ سمجھتے رہے ہیں اور ایک مدت سے یہ غلط فہمی رہی ہے کہ ان چیزوں میں کا نام اسلام ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے۔اس سے مسلمانوں کا طریقہ اور طرز عمل پوری طرح سے بگڑتا گیا ہے۔

(کوثر 9 فروری 1951ء بیان مودودی بحوالہ "تنقید المسائل" ص 167)

ڈاڑھی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مقدار مقرر نہیں کی ہے، صرف یہ ہدایت فرمائی ہے کہ رکھی جائے۔ آپ اگر داڑھی رکھنے میں فاسقین کی وضعوں سے پرہیز کریں، اتنی داڑھی رکھ لیں جس پر عرف عام میں داڑھی رکھنے کا اطلاق ہوتا ہو، جسے دیکھ کر کوئی شخص اس شبہ میں مبتلا نہ ہو کہ شاید چند روز سے آپ نے داڑھی نہیں مونڈی ہے تو شارع کا منشا پورا ہو جاتا ہے، خواہ اہل فقہ کی استنباطی شرائط پر وہ پوری اترے یا نہ اترے۔

رسائل ومسائل ۱۸۷-۱۸۱، ترجمان القرآن رمضان، شوال ۲۶ھ ستمبر، اکتوبر ۴۳ء بحوالہ مقالات محدث گوندلوی ص ۳۶۸

امام مہدی سے متعلق مودودی صاحب کا نظریہ

لیکن یہ سمجھنا غلط ہے کہ مہدی کے نام سے دین میں کوئی خاص منصب قائم کیا گیا ہے جس پر ایمان لانا اور جس کی معرفت حاصل کرنا ویسا ہی ضروری ہو جیسا انبیاء پر ایمان لانا، اور اس کی اطاعت بھی شرط نجات اور شرط اسلام و ایمان ہو۔ نیز اس خیال کے لیے بھی حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ مہدی کوئی امام معصوم ہو گا دراصل یہ معصومیت غیر انبیاء کا تخیل ایک خالص شیعی تخیل ہے جس کی کوئی سند کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے۔

یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جن چیزوں پر کفر و اسلام کا دارومدار ہے، اور جن امور پر انسان کی نجات موقوف ہے، انہیں بیان کرنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے۔ وہ سب قرآن میں بیان کی گئی ہیں۔ اور قرآن میں بھی ان کو کچھ اشارۃً وکنایۃً بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کو کھول دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ''اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى'' لہٰذا جو مسئلہ بھی دین میں یہ نوعیت رکھتا ہو اس کا ثبوت لازماً قرآن ہی سے ملنا چاہئے۔ مجرد حدیث پر ایسی کسی چیز کی بنا نہیں رکھی جا سکتی جسے مدار کفر و ایمان قرار دیا جائے۔ احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی ہوئی آئی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ علم یقین اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس خطرے میں ڈالنا ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ جو امور اس کے دین میں اتنے اہم ہوں کہ ان سے کفر و ایمان کا فرق واقع ہوتا ہو انہیں صرف چند آدمیوں کی روایت پر منحصر کر دیا جائے، ایسے امور کی نوعیت ہی اس امر کی متقاضی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو صاف صاف اپنی کتاب میں بیان فرمائے، اللہ کا رسول ﷺ انہیں اپنے پیغمبرانہ مشن کا اصل کام سمجھتے ہوئے ان کی تبلیغ عام کرے اور وہ بالکل غیر مشتبہ طریقے سے ہر ہر مسلمان تک پہنچا دیے گئے ہوں۔

اب ''مہدی'' کے متعلق خواہ کتنی ہی کھینچ تان کی جائے، بہر حال ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اسلام میں اس کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ اس کے جاننے اور ماننے پر کسی کے مسلمان ہونے اور نجات پانے کا انحصار ہو۔ یہ حیثیت اگر اس کی ہوتی تو قرآن میں پوری صراحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا جاتا اور نبی کریم ﷺ بھی دو چار آدمیوں سے اس کو بیان کر دینے پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ پوری امت تک اسے پہنچانے کی سعی بلیغ فرماتے اور اس کی تبلیغ میں آپ کی سعی کا عالم وہی ہوتا جو ہمیں توحید اور آخرت کی تبلیغ کے معاملے میں نظر آتا ہے۔ درحقیقت جو شخص علوم دینی میں کچھ بھی نظر اور بصیرت رکھتا ہو وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور نہیں کر سکتا کہ جس مسئلے کی دین میں اتنی بڑی اہمیت ہو اسے محض اخبار احاد پر چھوڑا

جاسکتا تھا، اور اخبار احاد بھی اس درجے کی کہ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے محدثین نے اپنے حدیث کے مجموعوں میں سرے سے ان کا لینا ہی پسند نہ کیا ہو۔

(ترجمان القرآن۔ ربیع الاول، جمادی الاخریٰ ۶۴ھ، مارچ، جون ۴۵ء، رسائل و مسائل، جلد اوّل)

کچھ لوگوں کے مطابق امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ و صوفیانہ وضع و قطع کے آدمی ہوں گے۔ تسبیح ہاتھ میں لیے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے برآمد ہوں گے۔ آتے ہی انا المھدی کا اعلان کریں گے۔ علماء اور مشائخ کتابیں لیے ہوئے پہنچ جائیں گے اور لکھی ہوئی علامتوں سے ان کے جسم کی ساخت جائزہ وغیرہ لے کر انہیں شناخت کر لیں گے، پھر بیعت ہوگی اور اعلانِ جہاد کر دیا جائے گا۔ چلّے کھینچے ہوئے درویش اور سب پرانے طرز کے "بقیۃ السلف" ان کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے۔ تلوار تو محض شرط پوری کرنے کے لیے برائے نام چلانی پڑے گی۔ اصل میں سارا کام برکت اور روحانی تصرف سے ہو گا۔ پھونکوں اور وظیفوں کے زور سے میدان جیتے جائیں گے۔ جس کافر پر نظر مار دیں گے تڑپ کر ادھر ہی فوت ہو جائے گا اور محض بد دعا کی تاثیر سے ٹینکوں اور ہوائی جہازوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔

عقیدۂ ظہورِ مہدی کے متعلق عام لوگوں کے تصورات کچھ اسی قسم کے ہیں۔ مگر میں جو کچھ سمجھا ہوں اس سے مجھے معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہو گا۔ وہ جس زمانہ میں بھی پیدا ہو گا اس زمانہ کے علوم سے، حالات سے اور ضروریات سے پوری طرح واقف ہو گا، اپنے زمانہ کے مطابق عملی تدابیر اختیار کرے گا اور ان تمام آلات و وسائل سے کام لے گا جو اس کے دور میں سائنٹفک تحقیقات سے دریافت ہوئے ہوں۔ یہ تو ایک صریح عقلی بات ہے جس کے لیے کسی سند کی ضروریات نہیں ہے۔ ایک چالاک و ہوشیار شخص وقت کے تمام علومِ جدیدہ پر اس کو بصیرت حاصل ہو گی۔ زندگی کے سارے مسائل کو وہ خوب سمجھتا ہو گا۔ عقلی و ذہنی ریاست، سیاسی تدبر اور جنگی مہارت کے اعتبار سے وہ تمام دنیا پر اپنا سکہ جما دے گا اور اپنے وقت کے

تمام جدید لوگوں سے بڑھ کر جدید ثابت ہو گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی "جدیدیت" کے خلاف مولوی اور صوفی صاحبان ہی سب سے پہلے شورش برپا کریں گے۔ پھر مجھے یہ بھی امید نہیں کہ اپنی جسمانی ساخت میں وہ عام انسانوں سے کچھ بہت مختلف ہو گا کہ اس کی علامتوں سے اس کو تاڑ لیا جائے گا، نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدیِ موعود ہونے کی خبر نہ ہو گی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہو گا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوۃ پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا جاتا تھا۔ جیسا کہ میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں، نبی کے سوا کسی کا یہ منصب نہیں ہے کہ دعوے سے کام کا آغاز کرے اور نہ نبی کے سوا کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس خدمت پر مامور ہوا ہے۔ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھا جانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں، میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔

مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ مجھے اس کے کام میں کرامات و خوارق، کشوف و الہامات، اور چلّوں اور "مجاہدوں" کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلابی لیڈر کو دنیا میں جس طرح شدید جدوجہد اور کشمکش کے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے انہی مرحلوں سے مہدی کو بھی گزرنا ہو گا۔ وہ خالص اسلام کی بنیادوں پر ایک نیا مذہبِ فکر School of Thought پیدا کرے گا۔ ذہنیتوں کو بدلے گا، ایک زبردست تحریک اٹھائے گا جو بیک وقت تہذیبی بھی ہو گی اور سیاسی بھی، جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی، مگر بالآخر وہ جاہلی اقتدار کو الٹ کر پھینک دے گا اور ایک ایسا زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا جس میں ایک طرف اسلام کی پوری روح کارفرما ہو گی، اور دوسری طرف سائنٹفک ترقی اوجِ کمال پر پہنچ جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے "اس کی حکومت سے آسمان

والے بھی راضی ہوں گے اور زمین والے بھی، آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا، اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اگل دے گی۔

(تجدید و احیائے دین)

مودودی صاحب کا چیلنج منظور ہے۔

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ'
ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان

(ماہنامہ قائد ملتان ماہ مارچ / اپریل ۱۹۵۱ء جلد ۳ شمارہ ۲ / ۳ ص ۱۰ تا ۱۴)

مولانا مودودی صاحب ۹/ مارچ کو جمعہ کے دِن تشریف لائے تھے اور انہوں نے باغ عام خاص میں تقریر کی تھی۔ بعض احباب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ مودودی صاحب نے "مکالمہ کاظمی و مودودی" کا ذِکر کرتے ہوئے اور اپنے ہی من گھڑت سوالات کا جواب دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکالمہ کے مضامین پر میں کاظمی صاحب سے پھر گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے جواب میں میری طرف سے مودودی صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر واقعی آپ نے یہ فرمایا ہے تو میں تعمیل ارشاد کے لئے بہ دل و جان حاضر ہوں۔ مگر مناسب ہے کہ جس طرح آپ نے یہ اعلان مجمع عام میں فرمایا ہے اسی طرح ہماری آپ کی گفتگو بھی مجمع عام میں ہو تا کہ اس دفعہ آپ کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ یہ سوالات و جوابات گھر میں بیٹھ کر مرتب کر لئے گئے ہیں۔

مکالمہ مذکورہ کے متعلق مودودی صاحب نے فرمایا کہ اس میں جو گفتگو درج ہے وہ ایک شخص نے مجھ سے تبادلہ خیالات کے بعد گھر میں بیٹھ کر مرتب کرلی اور اس کا نام مکالمہ رکھ دیا، میں اس کا ذمہ دار نہیں۔ یعنی یہ تمام گفتگو محض فرضی اور بے اصل ہے۔ میں عرض کروں گا کہ یہ مکالمہ میرے ہمراہیوں کی تصدیق اور ان کے اصل دستخطوں کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اگر اس کے باوجود بھی یہ آپ کے نزدیک خلاف واقع اور بے اصل تھا تو آپ نے وہ اصلی گفتگو شائع کر دی ہوتی جو آپ کے نزدیک صحیح اور درست تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے محض دفع الوقتی اور عوام کو مبتلائے فریب رکھنے کے لئے یہ کہہ دیا ورنہ آپ جانتے ہیں کہ مکالمہ میں آپ کے

جوابات کی جو ترجمانی کی گئی ہے وہ بالکل صحیح ہے، جس کی صحت پر آپ کی کتابوں کی عبارات منقولہ بھی مہر تصدیق ثبت کر رہی ہیں جو ہم نے بحوالہ صفحات وہاں نقل کی ہیں۔ اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ گفتگو کی اشاعت میں مجھ سے اجازت نہیں لی گئی نہ اس مکالمہ پر میری تصدیق ہے۔ گویا مودودی شریعت میں یہ بھی ناجائز ہے کہ مسائل شرعیہ میں کسی سے گفتگو ہو تو اسے دوسرے کی اجازت اور تصدیق کے بغیر شائع کر دیا جائے۔ مودودی صاحب سے میں دریافت کرتا ہوں کہ اگر یہ صحیح ہے تو آپ کے ۹/ جنوری ۱۹۵۱ء کے سہ روزہ اخبار کوثر میں مدیر کوثر اور ضلع ملتان کے ایک ڈاکٹر صاحب کی جو طویل گفتگو ڈاکٹر موصوف کی اجازت اور تصدیق کے بغیر شائع ہوئی ہے (جس کا عنوان "پہلی منزل" مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ کی بحث ہے) اس کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ مدیر کوثر نے اسے پوری رنگ آمیزی کے ساتھ بڑے طمطراق سے اپنے اخبار میں شائع کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب موصوف کی اجازت اور ان کی تصدیق کے اظہار کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جس سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے مدیر کوثر کو اپنی گفتگو شائع کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی نہ اس کی تصدیق کی ہے اور اگر مدیر کوثر کے پاس اس قسم کی کوئی اجازت اور تصدیق موجود ہے تو وہ اسے اب شائع کر دیں۔ مگر وہ بیچارے شائع کہاں سے کریں گے۔ اگر ان کے پاس کچھ ہوتا تو وہ اسی وقت گفتگو کے ساتھ اسے شائع کر دیتے، کیونکہ ایسی اجازت و تصدیق کا حاصل کرنا اسی غرض سے ہو سکتا تھا کہ گفتگو کے ساتھ اسے شائع کر دیا جائے تاکہ پڑھنے والے مطمئن ہو جائیں۔

مجھے افسوس ہے کہ مودودی صاحب دوسروں کو وعظ سنانا خوب جانتے ہیں مگر اپنے گھر کی خبر نہیں لیتے۔

مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی فرمایا کہ اس مکالمہ میں جو مجھ پر ادعائے مہدویت کا الزام لگایا گیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ میں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ ایک مکالمہ کیا آپ ہماری کسی تحریر سے بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ ہم نے آپ کو زبان سے مہدویت کا دعویٰ کرنے والا قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ابھی تک اپنے مہدی ہونے کا اعلان نہیں کیا۔ مگر ان کی تحریرات سے (جنہیں ہم مکالمہ میں تفصیل سے نقل کر چکے ہیں) یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قوم کے ذہن میں اپنی مہدویت کا تصور جمانے میں کوشاں ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے کارناموں کو بالکل اسی رنگ میں قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں جس رنگ میں انہوں نے امام مہدی کے کارناموں کو اپنی کتاب تجدید و احیاء دین میں ظاہر کیا ہے۔

مہدی کے دعویٰ نہ کرنے کے متعلق مودودی صاحب نے کسی جگہ بھی وثوق کے ساتھ نہیں لکھا کہ وہ یقیناً دعویٰ نہیں کریں گے صرف اتنا لکھ گئے ہیں کہ نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔

(تجدید واحیاء دین ص ۳۲)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے امام مہدی کے دعویٰ نہ کرنے پر وثوق کا اظہار نہیں کیا صرف اسے خلافِ توقع بتایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بہت سے امور خلافِ توقع بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ مودودی صاحب کو قیامِ پاکستان ہی کی کونسی توقع تھی۔ پھر وہ آج خدا کے فضل سے ایک عظیم الشان حقیقت بن کر ان کے سامنے آیا یا نہیں؟ دور کیوں جایئے! اسی موجودہ دور کو دیکھ لیجئے۔ مودودی صاحب کن توقعات کو لیکر میدان انتخاب میں اترے تھے اور اب ان کے صالح نمائندوں کا کیسا عبرتناک حشر ہو رہا ہے، جسے دیکھ کر مودودی صاحب بے ساختہ بول اٹھتے ہوں گے کہ

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اسی طرح اگر امام مہدی بھی مودودی صاحب کی توقع کے خلاف اپنی مہدویت کا اعلان کر دیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

تجدید واحیاء دین میں دو عبارتیں ایسی ہیں جن سے بظاہر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ مودودی صاحب اس بات کے قائل نہیں کہ امام مہدی اپنے مہدی ہونے کا دعویٰ کریں گے۔ پہلی عبارت یہ ہے۔

نبی کے سوا کسی کا یہ منصب ہی نہیں کہ دعویٰ سے اپنے کام کا آغاز کرے۔ (تجدید واحیاء دین ص ۳۲)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کے سوا کسی (مجدد یا مہدی) کو کسی وقت بھی دعویٰ کرنے کا منصب حاصل نہیں بلکہ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اپنے کام کو دعویٰ سے شروع کرنا سوائے نبی کے کسی کا منصب نہیں اور کسی مجدد و مہدی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نبی کی طرح اپنے کام کا آغاز دعویٰ سے کرے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی غیر نبی (مجدد و مہدی) بغیر دعویٰ کئے اپنا کام شروع کر دے پھر آگے چل کر اپنے مجدد و مہدی ہونے کا اعلان کرے تو اس کی نفی اس عبارت سے نہیں ہوتی، ورنہ اس عبارت میں "آغاز" کی قید بالکل بے معنی اور مہمل قرار پائے گی۔ دوسری عبارت یہ ہے کہ مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھائے جانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو

لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ (تجدید واحیاء دین ص ۳۲)

اس سے بھی یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ مودودی صاحب امام مہدی کے دعویٰ کی نفی فرمارہے ہیں، صحیح نہیں۔ اس عبارت کا صاف اور صریح مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ مہدویت وغیرہ کے دعوے کرتے ہیں اور لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں حالانکہ انہوں نے صرف دعوے ہی کئے ہیں، کر کے کچھ نہیں دکھایا، ایسے لوگ میرے نزدیک اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مودودی صاحب نے صرف دعویٰ کرنے کو علم و ذہن کی پستی پر مبنی نہیں فرمایا بلکہ وہ لمبے چوڑے دعوے کرنے کے باوجود کچھ کر کے نہ دکھانے والوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو کم علم اور پست ذہن فرمارہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص دعوے تو بڑے کرتا ہے مگر کر کے کچھ نہیں دکھاتا تو اسے ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی نکما اور بے وقوف کہے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص دعوے کے ساتھ کام بھی کر کے دکھائے تو اسے کوئی بھی کم علم اور پست ذہن نہیں کہہ سکتا۔ اس لئے اگر امام مہدی اپنے عظیم الشان کارناموں کے ساتھ اپنے مہدی ہونے کا اعلان بھی کر دیں تو ازروئے عقل و شرع اس میں کوئی استبعاد نہیں، نہ مودودی صاحب کی یہ عبارت اس کی نفی کرتی ہے۔

آج جو لوگ کسی مصلحت کے پیش نظر مودودی صاحب کے پندار مہدویت پر پردہ ڈالنے کے لئے مذکورہ بالا عبارات سے مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، میں انہیں چیلنج دیتا ہوں کہ وہ مودودی صاحب کی ایک عبارت ایسی پیش کریں جس میں انہوں نے وثوق کامل کے ساتھ امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی نفی کی ہو۔ لیکن میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ مودودی صاحب نے کسی جگہ بھی مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے کی نفی نہیں کی اور عبارات مذکورہ بالا میں انہوں نے اپنے حریفوں پر طنز و تعریض کے باوجود بھی (کسی وقت) اپنے دعوے کے لئے خاصی گنجائش رکھ چھوڑی ہے۔ میری اور مودودی صاحب کی جو گفتگو مکالمہ میں شائع ہوئی ہے جس نے مودودی صاحب اور ان کے مشن کو بڑی حد تک عوام کے سامنے بے نقاب کر دیا ہے اس کی اشاعت سے ایوانِ مودودیت میں کہرام مچا ہوا ہے اور مودودیوں کو اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا کہ وہ میری گفتگو کو بگاڑ کر پبلک کے سامنے پیش کریں۔

دورانِ گفتگو میں مودودی صاحب سے مَیں نے یہ کہا تھا کہ آپ کی تجدید و احیاء دین کی عبارات سے لوگوں کے دِلوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ آپ اپنے متعلق مجدد کامل اور امام مہدی ہونے کا گمان رکھتے ہیں۔ اس الجھن کے دُور ہونے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنی زندگی میں اپنے مہدی ہونے کا انکار فرمادیں تاکہ آپ کے بعد کوئی آپ کو مہدی نہ کہے۔

کتنا صاف اور سیدھا مطالبہ تھا۔ اگر مودودی صاحب اپنی مہدویت کا گمان نہیں رکھتے اور یہ نہیں چاہتے کہ لوگ میرے بعد مجھے مہدی کہیں تو انہیں واضح طور پر یہ کہنا چاہئے تھا کہ میں اپنی مہدویت کا گمان نہیں رکھتا لیکن اس کے جواب میں وہ یہی فرماتے رہے کہ ان شاء اللہ میں بغیر کسی دعوے کے اپنے رب کے سامنے پیش ہو جاؤں گا۔ جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ مہدی کی شان یہ ہے کہ وہ باوجود مہدی ہونے کے دعویٰ نہ کرے اور بغیر دعویٰ کئے اپنے رب کے سامنے پیش ہو جائے۔ مگر یہاں بھی ان شاء اللہ کہہ کر دعویٰ کیلئے گنجائش رکھ لی۔ جب میں نے اس بات پر زور دیا کہ آپ اپنی زندگی میں اپنے مہدی ہونے کا انکار فرمائیں تو ارشاد فرمایا کہ میں اس بات کا ذمہ دار نہیں کہ میرے بعد مجھے مہدی کہا جائے۔ مرنے والوں کے حق میں بہت کچھ کہہ دیا جاتا ہے۔ کوئی کسی کو خدا کہہ دیتا ہے، کوئی کسی کو ولی بنا دیتا ہے، کوئی کسی کو کافر کہہ دیتا ہے۔ میں نے عرض کیا جناب یہ فرمایئے کہ مرنے کے بعد کسی بندہ کو خدا کہنا یا کسی مسلمان کو کافر کہنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا کہنا قطعاً ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر آپ مہدی نہیں اور آپ کے بعد آپ کو مہدی کہا گیا تو یہ بھی ناجائز ہوگا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنی زندگی ہی میں اپنی مہدویت کا انکار فرمادیں تاکہ آپ کے بعد آپ کے حق میں اس قسم کی ناجائز بات نہ کہی جائے۔ اس موقع پر یہ بھی عرض کر دوں کہ میں نے یہ مطالبہ صرف اس لئے کیا تھا کہ مودودی صاحب نے اپنی کتاب تجدید و احیاء دین میں لکھا ہے کہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کا منہاج النبوۃ پر قائم کرنے والا جس کی آمد کا مژدہ سنایا گیا تھا۔ (تجدید و احیاء دین ص ۳۲)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے واضح طور پر اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ مہدی کو اس کی موت کے بعد لوگ جانیں گے کہ یہ مہدی تھا۔ لہٰذا مودودی صاحب کے کارناموں کے پیش نظر اگر ان کے بعد لوگ انہیں مہدی کہنے لگیں تو اس عبارت کی رو سے ان کا یہ قول بالکل جائز اور درست ہوگا۔

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ جب مودودی صاحب اور ان کے ہوا خواہوں سے میری اس گفتگو اور جائز مطالبہ کا کوئی معقول جواب نہ ہو سکا تو انہوں نے میری اس بات کو بگاڑ کر پبلک کے سامنے پیش کیا کہ کاظمی صاحب نے ہم سے یہ سوال کیا کہ اگر آپ کے مرنے کے بعد آپ کو مہدی کہا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ ہم نے جواب دیا کہ مرنے کے بعد اگر کوئی ہمارے حق میں جو کچھ کہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ بکثرت مرنے والوں کے حق میں بہت کچھ کہا گیا۔ پھر انہوں نے کیا کیا۔

سبحان اللہ! کسی کے کلام میں تحریف کی مثال اس سے بہتر نہیں مل سکتی۔ دوسروں کو خدا کے خوف کی تلقین کرنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ انہوں نے محض جواب سے عاجز ہونے کی وجہ سے میری بات کو کس طرح مسخ کر کے پیش کیا ہے۔

کوئی اَن پڑھ آدمی بھی کسی سے ایسا سوال نہیں کر سکتا۔ بھلا بتایئے کہ جب آپ مر کر مٹی میں مل گئے تو آپ کیا کر سکتے ہیں؟ اور اس کے متعلق آپ سے کیا سوال ہو سکتا ہے؟

مودودی صاحب نے جس انوکھے انداز میں اپنی مجددیت و مہدویت کا جال بچھایا ہے اس کی پوری تفصیل تو ہم نے "مکالمہ کاظمی و مودودی" اور "آئینۂ مودودیت" کے حصہ اول و دوم میں لکھی ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کی گنجائش نہیں۔ مگر یہاں صرف اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مودودی صاحب نے ابھی تک اپنی زبان سے اپنی مہدویت کا اعلان نہیں کیا، مگر جو نقشہ انہوں نے امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی کتاب تجدید واحیاء دین میں کھینچا ہے بعینہٖ اسی نقشہ کی صورت میں اپنی ذاتِ گرامی کو پیش کر کے کم از کم اپنی جماعت کے مخصوص ارکان کے اذہان میں اپنی مہدویت کا تصور پوری طرح قائم کر دیا ہے۔ اگر اس میں کچھ کمی ہو سکتی ہے تو صرف یہی کہ باوجود سر توڑ کوششوں کے ابھی تک وہ حکومت کا تختہ الٹنے اور اقتدار کی کنجیوں پر قبضہ جمانے میں کامیاب نہیں ہوئے اور اگر خدانخواستہ وہ کبھی اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو اسی وقت اس نقشہ مہدویت کی تکمیل ہو جائے گی اور مودودی صاحب کے امام مہدی ہونے میں کسی مودودی کو کسی قسم کا شک وشبہ یا تردد باقی نہ رہے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت دعویٰ کی وہ گنجائش جنہیں مودودی صاحب اب تک باقی رکھتے چلے آئے ہیں داشتہ آید بکار کے مطابق کام آئے۔

آخر میں اتمام حجت کے لئے میں پھر ایک دفعہ مودودی صاحب سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر واقعی آپ اپنے مہدی ہونے کا گمان نہیں رکھتے تو غیر مبہم الفاظ میں اعلان فرما دیجئے کہ میں امام مہدی نہیں ہو سکتا میرے بعد کوئی شخص مجھے مہدی نہ کہے۔

مجھے سنجیدہ مودودی حضرات سے توقع ہے کہ میرے اس مطالبہ کی معنویت اور افادیت پر ٹھنڈے دِل سے غور کریں گے اور عوام کو دام تلبیس میں پھنسانے کی کوشش ترک کرنے کے ساتھ ہی انہیں امر حق کو قبول کرنے میں دریغ نہ ہو گا۔ بالخصوص عام برادرانِ اسلام سے تو مجھے پوری امید ہے کہ وہ ان امور کو اپنی توجہ کا مرکز بنا کر سلف صالحین کے مسلک پر قائم رہتے ہوئے (سرزمین متنبئین ومتجددین) کے اس نئے مگر خطرناک فتنہ مودودیت سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں گے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

جرم نمبر ۷

خادم حرمین اور کعبۃ اللہ کی شان میں ابو الاعلیٰ مودودی کی گستاخیاں۔

ہم سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور آس پاس کا علاقہ جو کہ حجاز کہلاتا ہے یہ وہ علاقہ ہے جہاں اللہ کے آخری رسول ﷺ نے سفر و حضر گزارے، جہاں وحی الٰہی اترتی رہی، نزول قرآن ہوتا رہا، دین حق، اسلام کی اشاعت یہیں سے شروع ہوئی جس کا ذکر احادیث نبوی ﷺ میں وضاحت سے موجود ہے۔ جہاں سب سے پہلے دین پر عمل ہوا، جہاں صحابہ کرامؓ کے شب و روز گزرے، جہاں انتہائی تنگی کی حالت میں دین اسلام کے لیے قربانیاں دی گئیں، بدر و حنین، خندق اور احد کی جنگیں ہوئیں اور جہاں سے دنیا میں دین پھیلا اور جہاں آخر کار پوری دنیا سے سکڑ کر ختم ہو گا اور قیامت قائم ہو گی۔ جو حرمین شریفین کی صورت میں مسلمانوں کا روحانی مرکز ہے۔ حرمین شریفین کے مقام اور شرف و فضیلت کے متعلق قرآن پاک کے علاوہ احادیث، سیرت اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ لیکن انتہائی اختصار کے ساتھ چند دلائل پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَي الْقُلُوْبِ (الحج : 32)

اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔

درج ذیل سطور میں خطۂ ارضی کے مقدس ترین شہروں کی فضیلت و عظمت کو مستند ترین ماخذ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ شہر مکہ کا شمار اہل اسلام کے محبوب ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ اہل اسلام کے دل اس ارض پاک کی محبت سے لبریز رہتے ہیں، فرزندان اسلام کے دلوں کی سب سے بڑی خواہش اس قطعۂ ارضی کی زیارت ہے۔ مکہ کی حاضری اور اس کے فیوض و برکات سمیٹنے کے لیے "نیل کے ساحل سے تابخاک کاشغر تک" کا ہر مسلم بے چین رہتا ہے۔

قرآن پاک میں مکہ مکرمہ کا ذکر خیر متعدد مقامات پر آیا ہے جس میں مکہ مکرمہ کی تاریخ، ارتقائی منازل اور مکہ مکرمہ میں موجود دیگر مشاعر مقدسہ کو مختلف پیرائے میں بیان کیا گیا ہے چند ایک قرآنی مقامات درج ذیل ہیں۔

بابرکت مقام:

خانہ کعبہ کو قرآن پاک نے بابرکت مقام قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران : 96۔97)

بلاشبہ سب سے پہلا گھر (عبادت گاہ) جو لوگوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، اس گھر کو برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا۔ اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں (جن میں سے ایک) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت ہے۔ جو شخص اس گھر میں داخل ہوا وہ مامون و محفوظ ہو گیا۔ ان آیات میں خانہ کعبہ کی پانچ خصوصیات ذکر کی گئی۔

1۔ خانہ کعبہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا پہلا گھر ہونے کا شرف حاصل ہے۔

2۔ خانہ کعبہ بابرکت مقام ہے۔

3۔ خانہ کعبہ اہل عالم کے لیے مرکز رشد وہدایت ہے۔

4۔ خانہ کعبہ میں باری تعالیٰ کی کھلی نشانیاں شعائر اللہ مثل زمزم، مقام ابراہیم وغیرہ ہے۔

5۔ اس گھر میں داخل ہونے والا امن کی نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے۔

امن والی جگہ

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (النحل:112)

اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے۔ جو امن وچین سے رہتی تھی اور ہر طرف سے اس کا رزق اسے بفراغت پہنچ رہا تھا۔

دوسری جگہ مکہ کی قسم اٹھائی اور فرمایا: وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ(التين :3)

اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی قسم۔

بہترین جگہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی سرزمین کو بہترین قرار دیتے ہوئے فرمایا:

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عدي ابن حَمْرَاءَ الزُّهري قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ وَاقِفًا بِالحَزْوَرَةِ يَقُولُ: (وَاللَّهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللَّهِ وأحبُّ أرضِ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ منك ما خَرَجْتُ(صحيح ابن حبان:3700)

سیدنا عبد اللہ بن عدی بن حمرا سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حزورہ کے مقام پر کھڑے ہو کر فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ کی ساری زمین سے بہتر اور اللہ کے نزدیک پوری زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے یہاں سے جانے پر مجبور نہ کیا جاتا تو ہرگز نہ جاتا۔

عزیز ترین شہر:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ, قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم: (ما أَطْيَبَكِ مِنْ بَلْدَةٍ وَأَحَبَّكِ إِلَيَّ وَلَوْلَا أَنَّ قومي أخرجوني منك ما سكنت غيرك.

(صحيح ابن حبان : 3701)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے فرمایا تو کتنا اچھا شہر ہے اور مجھے کتنا عزیز ہے اگر مجھے میری قوم یہاں سے نہ نکالتی تو میں تیرے علاوہ کہیں نہ ٹھہرتا۔

مکہ میں موجود مشاعر مقدسہ کی اہمیت کا اندازہ اس فرمان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے لگایا جا سکتا ہے

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم يَقُولُ۔ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ۔:(الرُّكْنُ وَالْمَقَامُ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَوَاقِيتِ الْجَنَّةِ وَلَوْلَا أَنَّ اللَّهَ طَمَسَ عَلَى نُورِهِمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ المشرق والمغرب)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے ساتھ پیٹھ لگا کر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ رکن یمانی اور مقام ابراہیم جنت کے ہیروں میں سے ہیرے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی روشنی کو مقید نہ کیا ہوتا تو مشرق و مغرب کے درمیان جتنی چیزیں ہیں سب کو یہ دونوں روشن کر دیتے۔

حجر اسود کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:(إِنَّ لِهَذَا الْحَجَرِ لِسَانًا وَشَفَتَيْنِ يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهُ يَوْمَ القيامة بحق (مسند احمد : 26407)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن یہ حجر اسود اس طرح آئے گا کہ اس کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہوں گے اور یہ اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا۔

ایمان والی سرزمین:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّ الإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى المَدِينَةِ كَمَا تَأْرِزُ الحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا (بخاری: 1876)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان مدینہ کی طرف سمٹ کر آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔

مدینہ میں موت کی فضیلت:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ بِالْمَدِينَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا، فَإِنِّي أَشْفَعُ لِمَنْ يَمُوتُ بِهَا.

(سنن النسائی: 3917 قال شعیب الانؤوط اسنادہ صحیح علی شرط البخاری)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس سے ہو سکے کہ مدینہ منورہ میں مرے تو وہ مدینہ میں مرنے کی کوشش کرے کیونکہ جو یہاں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔

دجال سے محفوظ شہر

أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا حَدِيثًا طَوِيلًا عَنِ الدَّجَّالِ، فَكَانَ فِيمَا حَدَّثَنَا، قَالَ: "يَأْتِي، وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِينَةِ، فَيَنْتَهِي إِلَى بَعْضِ السِّبَاخِ الَّتِي تَلِي الْمَدِينَةَ، (صحیح مسلم: 2938)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک دن ہم سے دجال کے متعلق ایک لمبی حدیث بیان کی اسی حدیث کے درمیان ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ وہ آئے گا لیکن مدینہ کی گھاٹیوں میں داخل ہونا اس پر حرام ہو گا وہ مدینہ کے قریب بعض بنجر زمینوں تک ہی پہنچے گا۔

☆☆☆☆☆☆

اب مودودی صاحب کے عقائد کی سماعت

لکھتے ہیں "وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا آج اُسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے ' نہ ہی اسلامی اخلاق ہیں نہ ہی اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دُور دُور سے گہری عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں، مگر اس علاقہ میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتٰی کہ بہت سے لوگ حج کرکے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور اُلٹا کچھ کھو آتے ہیں"

(خطباتِ مودودی، ص ۳۱۶، طبع ۳۹)

"حج کے پورے فائدے حاصل ہونے کے لئے ضروری تھا کہ مرکزِ اسلام میں ایسا ہاتھ ہوتا جو اس عالمگیر طاقت سے کام لیتا۔ کوئی ایسا ہوتا جو ہر سال تمام دُنیا کے دِل میں خونِ صالح دوڑاتا رہتا۔ کوئی ایسا دِماغ ہوتا جو ان ہزاروں، لاکھوں، خداداد قاصدوں کے واسطے دُنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا مکمل نمونہ موجود ہوتا (وہاں خانہ کعبہ میں، اور اس کے گرد مکہ مکرمہ میں) اور ہر سال دُنیا کے مسلمان وہاں سے دِین داری کا

تازہ سبق لے لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ مدّت ہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورِش پارہی ہے۔ عباسیوں کے دور سے لے کر عثمانیوں کے دور تک ہر زمانے کے بادشاہ اپنی سیاسی اغراض کی خاطر عرب کو ترقی دینے کی بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اہلِ عرب کو علم، اخلاق، تمدّن، ہر چیز کے اِعتبار سے پستی کی اِنتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرزمین جہاں سے اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہے، نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ بڑی دُور دُور سے گہری عقیدتیں لئے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں۔ مگر اس علاقے میں پہنچ کر جب ان کو ہر طرف جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دُنیا پرستی، بد اَخلاقی، بد اِنتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور الٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ختم کیا تھا' اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔

(خطباتِ مودودی)

یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اُس دین کے نام نہاد خدمت گزاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے جس نے مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو' جہاں عبادت گاہوں کو ذریعۂ آمدنی بنا لیا گیا ہو' جہاں احکامِ الٰہی کو اس غرض کے لیے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سن کر لوگ فرض بجالانے کے لیے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر اُن کی جیبوں سے روپیہ گھسیٹا جائے' جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رکن ادا کرنے کے لیے معاوضہ دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو'

ایسی جگہ عبادت کی رُوح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی وروحانی فائدے حاصل ہوں گے جب کہ یہ سارا کام سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہو۔

(خطباتِ مودودی)

جرم نمبر ۸

دُنیا میں ایک ہی معصوم ہے۔ وہ خود ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔

خدا کے فضل سے میں نے کوئی کام یا کوئی بات جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں کیا اور کہا، حتی کے ایک ایک لفظ جو میں نے اپنی تقریر میں کہا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہا ہے اس کا حساب مجھے خدا کو دینا ہے، نہ کہ بندوں کو، چناں چہ اپنی جگہ بالکل مطمئن ہوں کہ میں نے کوئی ایک لفظ بھی خلاف حق نہیں کہا"۔

(رسائل مسائل حصہ اول، ص:3،2 طبع دوم

ایک تقریر میں فرماتے ہیں

"میرے رب کی مجھ پر عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا۔"

تقریر چار روزہ کانفرنس، جماعت اسلامی بمقام لاہور، 25 تا 28 اکتوبر 1963ء، روزنامہ مشرق لاہور، 26 اکتوبر

"اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت (جماعت اسلامی) کے سوا مشرق سے لیکر مغرب تک کے مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں خواہ انپڑھ ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت اور اسکی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں"۔

(تفہیمات، ج۱، ص۴۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مختصراً مودودی کے نظریات وعقائد

عقیدہ نمبرا عصمت انبیاء.

عصمتدراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہیں ۔(مودودی مذھب ص ۳۰)

بعض انبیاء کرام علیھم السلام سے غلطیاں سرزد ھوئی ھیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت داود علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام۔(عقائد اسلام ج ۱، ص ۴۵)

* عقیدہ نمبر ۲ * صحابہ کرام *

خلفاء راشدینؓ کے فیصلے بھی حجت اور معیار حق نہیں ہیں.(ترجمان القرآن ص ۵۸)

صحابہ کرامؓ: معیار حق نہیں......(دستور جماعت اسلامی ص ۱۴)

* عقیدہ نمبر ۳ * داڑھی

داڑھی ایک مشت سے کم بھی رکھنا صحیح ہے

حدیث میں صرف داڑھی رکھنے کا حکم ھے جتنی بھی رکھلی جائے حدیث پر عمل ہو جائے گا.....(رسائل مسائل ص ۳۰۷)

* عقیدہ نمبر ۴ * تقلید *

صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکھا اس سے بھی شدید تر چیز ہے. (رسائل مسائل ج ۱ ص ۲۴۴)

میں نہ مسلک اھل حدیث کو اسکی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ھوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں.

(رسائل مسائل ج ۱ ص ۲۳۵)

* عقیدہ نمبر ۵ * سجدہ تلاوت *

سجدہ تلاوت وضو کے بغیر بھی جائز ہے...(تفھیم القرآن ج ۲ ص ۱۱۶)

* عقیدہ نمبر ۶ * فہم قرآن

قرآن واحادیث کا مفہوم سمجھنے کیلئے صحابہ کرامؓ کی ضرورت نہیں...(رسائل مسائل ص ۳۰۷)

عقیدہ: نبی ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ انہوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا۔

(بحوالہ: رسائل ومسائل ص ۳۱)

عقیدہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مودودی لکھتا ہے کہ صحرائے عرب کا یہ ان پڑھ بادیہ نشین دور جدید کا بانی اور تمام دنیا کا لیڈر ہے

(بحوالہ: تفھیمات ص ۲۱۰)

عقیدہ: ہر فرد کی نماز انفرادی حیثیت ہی سے خدا کے حضور پیش ہوتی ہے اور اگر وہ مقبول ہونے کے قابل ہو تو بہر حال مقبول ہو کر رہتیہے خواہ امام کی نماز مقبول ہو یا نہ ہو۔ (بحوالہ: رسائل و مسائل ص ۲۸۲)

عقیدہ: خدا کی شریعت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جس کی بناء پر اہل حدیث حنفی، دیوبندی، بریلوی، سنی وغیرہ الگ الگ اُمتیں بن سکیں یہ اُمتیں جہالت کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ (بحوالہ: خطبات ص ۸۲)

عقیدہ: اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اسنفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے۔

(بحوالہ: تفہیمات ص ۱۶۳)

عقیدہ: ابو نعیم اور احمد ہنسائی اور حاکم نے نقلکیا ہے کہ یہ چالیس مرد جن کی قوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت کی گئی تھی۔ دنیا کے نہیں بلکہ جنّت کے مرد ہیں اور جنت کے ہر مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر قوت حاصلہو گی۔ یہ سب باتیں خوش عقیدگی پر مبنی ہیں اللہ کے نبی کی قوتِ باہ کا حساب لگانا مذاقِ سلیم پر بار ہے الخ۔ (بحوالہ: تفہیمات ص ۲۳۴)

عقیدہ: قرآن مجید نجات کے لئے نہیں بلکہ ہدایت کے لئے کافی ہے۔ (بحوالہ: تفہیمات ص ۳۲۱)

عقیدہ: میں نہ مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت کا یا شافعیت کا پابند ہوں۔

(رسائل و مسائل ص ۲۳۵)

عقیدہ: ۲۳ سالہ زمانہ اعلانِ نبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے فرائض میں خامیاں اور کوتائیاں سرزد ہوئیں۔

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں)

عقیدہ: جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لئے خواجہ اجمیر یا مسعود سالار کی قبر پر یا ایسے دوسرے مقامات پر جاتے ہیں زنا اور قتل کا گناہ کمہے یہ گناہ اس سے بھی بڑا ہے۔ (تجدید و احیاء دین ص ۶۲)

عقیدہ: اصولِ فقہ، احکام فقہ، اسلامی معاشیات، اسلامکے اصول عمران اور حکمت قرآنیہ پر جدید کتابیں لکھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ قدیم کتابیں اب درس و تدریس کے لئے کار آمد نہیں ہیں۔ (بحوالہ: تفہیمات ص ۲۱۳)

مودودی کی چند گستاخیاں اور بیباکیاں

خدا کی چال: ان سے کہو اللہ اپنی چال میں تم سے زیادہ تیز ہے۔ (تفہیم القرآن پارہ نمبر ۱۱ رکوع ۸)

نبی اور شیطان: شیطان کی شرارتوں کا ایسا کامل سدّباب کہ اسے کس طرح گھس آنے کا موقع نہ ملے۔ انبیاء علیہم السلام بھی نہ کر سکے۔ تو ہم کیا چیز ہیں کہ اس میں پوری طرح کامیاب ہونے کا دعوٰی کر سکیں۔ (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۶ء ص ۵۷)

ہر شخص خدا کا عبد ہے: مومن بھی اور کافر بھی۔ حتّٰی کہ جسطرح ایک نبی اس طرح شیطانِ رجیم بھی۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۵ عدد ۴،۳،۲،۱ ص ۶۵)

نبی اور معیار مومن: انبیاء بھی انسان ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پڑ ہے۔ جو مومنکے لئے مقرّر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلٰی واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے ۔(ترجمان القرآن)

ایلچی: محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ایلچی ہیں۔ جنکے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون بھیجا۔(بحوالہ: کلمہ طیّبہ کا معنی صفحہ نمبر ۹)

منکرات پر خاموش: مکّہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہو سلم کی آنکھوں کے سامنے بڑے بڑے منکرات (برائیوں) کا ارتکاب ہوتا تھا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مٹانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اسلئے خاموش رہتے تھے۔(ترجمان القرآن ۶۵ء ص ۱۰)

محمدی مسلک ہم اپنے مسلک اور نظام کو کسی خاص شخص کی طرف منسوب کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں مودودی تو درکنار ہم اس مسلک کو محمدی کہنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں۔(رسائل ومسائل جلد ۲ ص ۴۳۷)

انبیاء علیہم السلام سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں

۱۔ بعض انبیاء علیہم السلام سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔(عقائد الاسلام: ۱۴۵۔۲۶۵

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی کوتاہیاں۔(ترجمان القرآن: ۱۲۹، مئی: ۱۹۵۵۔ تفہیم القرآن: ۳۱۳۳

۳۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کوتاہیاں۔(تفسیر تفہیم القرآن، سورۂ ھود: ۲۳۴۴

۴۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوتاہیاں۔(تفہیم القرآن، سورۂ انعام: ۱۵۵۷

۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی کوتاہیاں۔(تفہیمات: ۲۱۲۲

۶۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کوتاہیاں۔ تفہیمات: ۲۴۲۔ تفہیم القرآن: ۴۳۲۷

۷۔ حضرت یونس علیہ السلام کی کوتاہیاں۔(تفہیم القرآن، سورۂ یونس، حاشیہ: ۲۳۱۲

۸۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوتاہیاں۔(ترجمان القرآن عدد: ۴۲۹

مودودی صاحب کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید

۱۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید۔(خلافت وملوکیت، طبع دوم، اسلامیپبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور

۲۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تنقید۔(ترجمان القرآن: ۳۰

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر تنقید۔(ترجمان القرآن: ص: ۵۷، ج: ۱۲، عدد: ۴

۴۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تنقید۔(خلافت وملوکیت: ۹۹۔ تجدید واحیائے دین ۲۳

۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر تنقید۔(خلافت وملوکیت: ۱۴۶

۶۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پر تنقید۔(خلافت وملوکیت: ۱۴۲

۷۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر تنقید۔(خلافت وملوکیت:۱۴۲

۸۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تنقید۔(ہفت روزہ ایشیاء لاہور:۱۹نومبر ۱۹۶۷ء

۹۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید۔(خلافت وملوکیت:۱۲۵

۱۰۔حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ پر تنقیدر۔(خلافت وملوکیت:۱۲۹

مودودی صاحب کے سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراضات

۱۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض۔(تجدید احیائے دین، چوتھا ایڈیشن:۳۵

۲۔مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض۔(تجدید احیائے دین:۷۳

۳۔سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہا پر اعتراض۔(تجدید احیائے دین:۱۳۲، طبع پنجم:۳۰نومبر ۱۹۵۱ء

دیگر عقائد و نظریات

۱۔معجزہ شق القمر کا انکار کرنا۔(ترجمان القرآن:۳۲۔مئی ۱۹۶۷ء

۲۔دلیلِ نبوت صرف قرآن کا معجزہ ہے۔(رسائل ومسائل:۱۴۵، حصہ سوم، اشاعتاول بحوالہ ترجمان القرآن مارچ ۱۹۵۶ء

۳۔قادیانی کافر نہیں ہیں۔(خطحوالہ:۲۲۷۔تاریخ:۲۹۱۶۸ء

۴۔ایصالِ ثواب گنہگاروں کے لئے نہیں ہے۔(ترجمان القرآن فروری ۱۹۶۷ء، ص:۲۷

۵۔قرآن وحدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے صحابہ کرامؓ کی ضرورت نہیں۔(رسائل ومسائل حصہ اول ودوم:۳۰۷

۶۔سجدۂ تلاوت بلا وضو جائز ہے۔(تفہیم القرآن سورہ اعراف:۲۱۱۶

۷۔سحری طلوعِ فجر کے بعد بھی کھائی جاسکتی ہے۔(تفہیم القرآن:۱۱۴۶

۸۔تقلید گناہ کی چیز ہے۔(رسائل ومسائل:۱۲۴۴، طبع دوم

۹۔داڑھی ایک مشت سے کم بھیر کھنا صحیح ہے۔(رسائل ومسائل حصہ اول ودوم:۳۰۷

(۱۰۔فقہ سے نفرت ہے۔(حقوق الزوجین:۹۸

۱۱۔تصوف اور سلوک یہ ایک جاہلانہ طریقہ ہے۔(تجدید واحیائے دین:۱۲۳

۱۲۔تفسیر بالرائے جائز ہے۔(تفہیمات:۱۹۳۔طبع چہارم

۱۳۔صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق نہیں ہیں۔(دستور جماعت اسلامی، ص ۱۴)

۱۴۔خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلہ بھی حجت اور معیارِ حق نہیں ہیں۔(ترجمان القرآن جنوری:۵۸)

تمام ثبوتوں اور گواہوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ عدالت ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کو گمراہ، اہل سنّت سے خارج اور مجرم ٹھہراتی ہے

مودودیت (جماعت اسلامی) اکابر علماء کی نظر میں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا۔ "

(روزنامہ احسان لاہور، 11 ستمبر 1948)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت؛ نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہے۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے، وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ

مودودی صاحب نے 1948ء میں جہاد کشمیر کے متعلق جب یہ کہا کہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے رضا کارانہ طور پر بھی اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے) تو علامہ عثمانی نے ان کو تحریر فرمایا بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات، شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں۔ جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا کیونکہ میرے نزدیک اس معاملہ میں آپ کی جانب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان کا احتمال ہے۔

(اشرف السوانح: ج 4 ص 24)

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ "قطب زمان حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے ایک کتاب "حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب" تحریر فرمائی تھی۔ اس میں ارشاد فرمایا :

برادران اسلام! مودودی صاحب کی تحریک کو بہ نظر غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذالک نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی در و دیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلا دیا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ نا قابل روایت اور نا قابل عمل ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اسی پر عمل کرو جو جو مودودی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔ اے اللہ! میرے دل کی دعائیں قبول فرما! مودودی صاحب کو ہدایت فرما اور ان کے متبعین کو بھی اس جدید اسلام سے توبہ کی توفیق عطاء فرما۔ آمین یا الہ العالمین۔

(حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:4)

نیز علامہ لاہوری تحریر فرماتے ہیں خدا جانے مودودی صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟! اللہ تعالیٰ کے ہر بندے کی توہین اپنی عادت بنالی ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں اور میرے دل میں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب سے ناراض ہے، اسی لئے تو [مودودی صاحب] اللہ کے ہر مقبول بندے کی توہین بڑی دلیری سے کرتے ہیں۔

(حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:43)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں

اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم و اطلاق کے ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق اور تنقید سے بالاتر نہیں ہے جس میں صحابہ سب کے سب شامل ہوتے ہیں اور پھر ان پر جرح و تنقید کا عملی پردہ بھی ڈال دینا حدیث رسول کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیار ہونے کا ادعاء ہے جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی جرات کر لی گئی۔ گویا جس

اصول کو شدومد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنے ہی بارے میں اسے ہی سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف وخلف کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا خود معیار حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی۔

(مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت: ص18)

مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ و مہتمم خیر المدارس ملتان مودودی صاحب اور اس کے متبعین کے بعض مسائل خلاف اہل سنت والجماعت کے ہیں، سلف صالحین کی اتباع کے منکر ہیں، لہذا بندہ ان کو ملحد سمجھتا ہے۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی سابق وزیر معارف قلات

مودودی صاحب کی تحریرات پر نگاہ ڈالی، موصوف کے متعلق احقر کا تاثر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام سے مطمئن نہیں اس لئے اس کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں جس کے لئے اصلی اسلام میں ترمیم ناگزیر ہے، لیکن اس کا چھپانا بھی ضروری ہے، اس لئے وہ اپنی اسی ترمیم کے تخریبی عمل کو انشاء پردازی، اقامت دین کے نعروں، یورپی طرز کے پروپیگنڈے کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی تخریبی عمل کے محرکات دو ہیں۔ نفسیاتی تعلی اور فقدان خشیت اللہ، اور عوام میں بھی اس دونوں بیماریوں میں مبتلا افراد کی کمی نہیں ہے، یہی باطنی ہم رنگی اس تحریک کی توسع کی اصلی سامان ہے۔

اسوۃ الصلحاء شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی خلیفہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب ضال اور مضل "یعنی خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔

استاد العلماء حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، ضلع پشاور۔ مودودی صاحب کے عقائد اہل السنت والجماعت کے خلاف اور گمراہ کن ہیں، مسلمان اس فتنے سے بچنے کی کوشش کریں۔

مودودی صاحب کے عقائد و نظریات پر چند کتابوں کے نام

۱۔ عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح (مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ)

۲۔ مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف (مولانا محمد منظور نعمانیؒ مقدمہ: مولانا سیّد ابوالحسن ندویؒ)

۳۔ دو بھائی ابوالاعلیٰ مودودی اور امام خمینی (عالمی مجلس تحفظ اسلام)

۴۔ جماعت اسلامی اور شیعہ مذہب (محمد یحیٰ انصار اشرفی)

۵۔ تفہیم القرآن میں احدیث شریفہ پر بد اعتمادی اور بائبل پر اعتماد (مفتی محمد ساجد قریشی)

۶۔ شیعہ، سنّی اختلاف اور صراطِ مستقیم (شہید مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ)

۷۔ صحابہ کرام اور اُن پر تنقید (مولانا محمد عبد اللہ صاحب مدّ ظلہ)

۸۔ حق پرست علمائی کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب (مولانا احمد علی لاہوریؒ)

۹۔ مودودی مذہب (مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ)

۱۰۔ مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ اور ان کے چند دیگر باطل نظریات (مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ)

۱۱۔ عصمت انبیاء اور مولانا مودودی (مولانا سید طاہر حسین گیاویؒ)

۱۲۔ فتنہ مودودیت (شیخ الحدیث مولانا الحاج محمد زکریاؒ)

۱۳۔ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق (مفتی تقی عثمانی صاحب)

۱۴۔ مودودی صاحب کے افکار و نظریات (حضرت علامہ سید یوسف بنوریؒ)

۱۵۔ تحریکِ جماعتِ اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ (ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ)

۱۶۔ مودودیت کا اصلی روپ (احمد علی شیخ، شہداد کوٹ)

۱۷۔ حضرت لاہوریؒ فتنوں کے تعاقب میں (مولانا قاضی مظہر حسین صاحب)

۱۹۔ مودودی صاحب اور تخریبِ اسلام (علامہ مفتی رشید احمد صاحب مدّ ظلہ)

۲۰۔ قائد اعظم، نظریۂ پاکستان اور اسلامی نظام ابوالاعلیٰ مودودی کی نظر میں (مولانا محمد اشفاق احمد)۔ وغیرہ

☆☆☆☆

منجانب خاک پایہ علماء دیوبند: قاسم بھائی